چشمۂ ہدایت

از

سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد

خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

چشمۂ ہدایت

’’حالات خواہ اچھے ہوں یا بُرے احمدیت کی گاڑی بہرحال چلتی جائے گی‘‘

(فرمودہ ۲۷ ؍دسمبر ۱۹۵۱ء بر موقع جلسہ سالانہ بمقام ربوہ)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

’’بعض دوست توجہ دلانے کے باوجود جلسے کے مبارک ایّام ذکرِ الٰہی اور دُعاؤں میں گزارنے کی بجائے اِدھر اُدھر پھرنے میں ضائع کر دیتے ہیں۔ جب مَیں نے دوستوں کو اِدھر اُدھر پھرتے دیکھا تو دل میں کہا کہ جو لوگ توجہ دلانے کے باوجود ایسا کرتے ہیں اُن کے دلوں کو بدلنا اُسی کے اختیار میں ہے جس نے ان کو پیدا کیا ہے۔ پس جب مَیں نماز میں خدا تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہؤا تو مَیں نے اُس سے عرض کیا کہ الٰہی !! تُو نے ان کو اپنے دین کی خدمت کے لئے کھڑا کیا ہے پس اب تُو ہی اِن کے دلوں میں دین کی عزت ، ذکرِ الٰہی کا احترام اور عبادت کی محبت عطا فرما کہ یہ کام میرے بس میں نہیں ہے۔ آمین

آج کے دن میری عورتوں میں بھی تقریر ہؤا کرتی ہے لیکن اِس سال عورتوں نے خود ہی اپنے حق کو چھوڑ دیا بعض وجوہات سے۔ کیونکہ عورتوں میں چونکہ وہ برقع پہنے ہوئے ہوتی ہیں اِس لئے پورے طور پر یہ نگرانی نہیں کی جاسکتی کہ ممکن ہے کوئی مرد ہی آ جائے یا

کوئی عورت ہی بد ارادہ سے آئی ہوئی ہو تو اُس کی نگرانی نہیں کی جا سکتی اِس لئے اُنہوں نے کہا ہم اپنا حق آپ چھوڑتی ہیں۔ چونکہ میرا ابھی گلا بیٹھا ہؤا تھا اور مجھے نزلہ کی شکایت بھی تھی مَیں نے اِس کو ایک الٰہی تحریک سمجھا اور بڑی خوشی سے اِس کو قبول کیا کہ بہت اچھا اگر تم اپنا حق آپ چھوڑتی ہو تو پھر مجھے کیا عذر ہو سکتا ہے۔ مگر اُنہوں نے یہ بھی ساتھ خواہش کی کہ مردوں کی تقریر میں کچھ ہمارے متعلق بھی کہا جائے تا کہ ہم وہیں سے لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ سے سُن سکیں۔ حسبِ وعدہ مَیں دو چار منٹ یہ تقریر عورتوں کی طرف خطاب کر کے کرتا ہوں۔

تبلیغ کی طرف توجہ کی ضرورت

سب سے پہلے تو مَیں اُن کو اپنی گزشتہ سال کی تقریر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ مَیں نے اُنہیں اب دین میں زیادہ حصّہ لینے اور تبلیغ کی طرف توجہ کرنے کی تحریک کی تھی لیکن وہی منتظمات جنہوں نے مجھے تحریک کی ہے کہ مَیں عورتوں کو مخاطب کروں، مردوں کی سٹیج سے مَیں اُنہی کو کہتا ہوں کہ سب سے پہلے اُنہوں نے ہی اپنی فرض شناسی سے گریز کیا ہے۔ مَیں نے یہ تجویز کی تھی کہ عورتیں آزادی کی رَو میں بَہہ رہی ہیں اور نئی نئی اُمنگیں ان کے دلوں میں پیدا ہو رہی ہیں اِس لئے تبلیغ کا میدان ان میں اِس وقت زیادہ وسیع ہے بہ نسبت مردوں کے کیونکہ وہ اِس وقت حکومت کے نشہ میں چُور ہو رہے ہیں اور مذہب سے بہت ہی دُور ہو رہے ہیں۔ چنانچہ میری اس تحریک کے ماتحت مختلف اضلاع میں عورتوں کی پارٹیاں ربوہ سے بھیجی گئیں اور عورتوں کی مجالس جمع کی گئیں اور ان میں یہاں کی عورتوں نے جا کر لٹریچر بھی تقسیم کیا اور تقریریں بھی کیں۔ اب چاہئے یہ تھا کہ ۱۹۵۱ء میں اس سلسلہ کو وسیع کیا جاتا مگر جہاں تک میرا علم ہے اُن ضلعوں میں بھی دَورہ نہیں کیا گیا جن میں پہلے کیا گیا تھا اور نئے ضلع تو بالکل ہی اِس سوال سے باہر ہیں۔ پس سب سے پہلے مَیں انہیں کہتا ہوں کہ تم نے جو مجھ سے حق مانگا ہے سٹیج پر سے تقریر کا اسی کے مطابق مَیں تمہیں کہتا ہوں کہ اپنے فرائض کی طرف توجہ کرو اور اِس سُستی اور غفلت کو چھوڑ دو۔

تعمیر دفتر لجنہ اماء اللہ

یہ بات تو مَیں نے اپنی طرف سے کہی ہے جس بات کی اُنہوں نے مجھ سے خواہش کی ہے وہ یہ ہے کہ مَیں عورتوں میں تحریک کروں کہ لجنہ اماء اللہ کا دفتر بن گیا ہے وہ اس کے چندہ کی طرف زیادہ توجہ کریں۔ اِس میں تو مَیں سمجھتا ہوں کہ عورتوں نے پھر ہم پر بازی لے لی ہے۔ مردوں کے دفتر ابھی بنیادوں سے ہی نیچے پڑے ہوئے ہیں اور سال سال، دو دو سال سے رقمیں بھی منظور ہو چُکی ہیں، سامان بھی آ چکے ہیں اور افسر بھی مقرر ہو چُکے ہیں اور انجینئر بھی ہیں لیکن وہ ابھی تک ابتدائی مراحل سے بھی نہیں گزر سکے مگر عورتوں کا دفتر خدا تعالیٰ کے فضل سے مکمل ہو چُکا ہے۔ صرف پردہ بنانے میں افسر نے کسی قدر سُستی کی ہے۔ اگر وہ پردہ بنا ہؤا ہوتا تو اُن کا سارا کام اِس جگہ پر بڑی اچھی طرح چل سکتا تھا۔

پھر یہ بھی ہے کہ عورت اپنی نظر سے بہت فائدہ اُٹھاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کے اندر کچھ ایسی صفت رکھی ہے کہ جو چیز دکھاوے والی ہو اُس پر وہ فریفتہ ہوتی ہے۔ سونا ہے، زیور ہے، اِس زیور کے اُوپر وہ جان دیتی ہے۔ اُسے آپ نظر نہیں آ رہا ہوتا کہ میرے گلے میں ہار کیسا پڑا ہؤا ہے اُس کا سارا لُطف تو یہ ہوتا ہے کہ لوگ دیکھ رہے ہیں میرے گلے کا ہار۔ تو مَیں نے لجنہ سے کہا تھا کہ میری کسی تحریک کی ضرورت ہی نہیں۔ جس وقت مستورات اپنا دفتر بنا ہؤا دیکھیں گی بس کہیں گی سُبْحَانَ اللّٰہِ فوراً لو چندہ اور اس کو مکمل کرو۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بارہا مَیں نے یہ لطیفہ سُنا ہؤا ہے کہ آپ فرماتے تھے کوئی عورت تھی اِسی طرح کی اُسے عادت تھی مگر تھی وہ غریب۔ اُس نے ایک اچھی سی انگوٹھی بڑے شوق سے بنوائی اور خیال کیا کہ عورتیں اس کی تعریف کریں گی اور کہیں گی۔ بی بی! تم نے یہ کہاں سے بنوائی ہے؟ کتنی قیمت میں بنی ہے؟ نمونہ کیسا اچھا ہے! ہم تو چاہتی ہیں ایسی انگوٹھی ہم بھی بنوائیں مگر اتفاق کی بات ہے لوگوں کی اُس پر نظر نہ پڑی اور اُنہوں نے اُس سے کچھ پوچھا نہیں۔ آخر اُس نے باتیں کرنی شروع کر دیں کہ فلاں بات یُوں ہے، فلاں بات یُوں ہے اور بات کے ساتھ ساتھ انگوٹھی بھی سامنے کر دیتی لیکن پھر بھی کسی نے نہ پوچھا۔ آخر تنگ آ کر اُس نے اپنے گھر کو آگ لگا دی۔

سارے اِرد گِرد کے لوگ اکٹھے ہو گئے، عورتیں بھی آ گئیں اور اُس سے ہمدردی کرنے لگیں کہ کیا ہؤا؟ کچھ بچا بھی؟ اُس نے کہا کچھ نہیں بچا صرف یہ انگوٹھی بچی ہے۔ آخر کسی عورت نے پوچھا کہ بہن! یہ انگوٹھی تم نے کب بنوائی تھی؟ وہ رو کر کہنے لگی کہ تُو پہلے پوچھ لیتی تو میرا گھر ہی کیوں جلتا۔ تو بارہا حضرت مسیح موعود علیہ السلام یہ لطیفہ سُنایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ عورت کی فطرت میں کچھ نمائش اللہ تعالیٰ نے رکھی ہے۔ پس میرے زیادہ کہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میرے خیال میں جو سامنے دفتر لجنہ اماء اللہ کا بنا ہؤا ہے وہ اپنی شان سے اور اپنی عظمت سے اور اپنے اس نظارہ سے کہ مرد چُپ کر کے بیٹھے ہیں اور ہم نے اپنا دفتر بنا لیا ہے عورتوں کو سب وعظوں سے زیادہ کام پر تیار کر دے گا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ بڑے شوق سے جاتے ہی روپے جمع کرنا شروع کر دیں گی اور جو باقی رقم ہے اُس کو غالباً چند دنوں کے اندر ہی پورا کر دیں گی۔

مسجد ہالینڈ کے لئے چندہ کی تحریک

مجھے زیادہ فکر عورتوں کے ذمہ جو مسجد ہالینڈ لگائی گئی ہے اُس کا ہے اس میں ابھی بہت سی کمی باقی ہے۔ مَیں نے جیسا کہ پہلے بیان کیا ہے مسجد ہالینڈ کا چندہ عورتوں نے مردوں سے زیادہ دیا ہے۔ مردوں کے ذمّہ واشنگٹن کی مسجد لگائی گئی ہے اور اُس کا خرچ مسجد بنا کر قریباً اڑھائی پونے تین لاکھ ہوتا ہے اور جو عورتوں کے ذمّہ کام لگایا تھا مسجد ہالینڈ کا اُس کی ساری رقم زمین وغیرہ ملا کر کوئی اسّی ہزار یا لاکھ کے قریب بنتی ہے۔ اُنہوں نے اپنے اسّی ہزار میں سے چھیالیس ہزار روپیہ ادا کر دیا ہے یعنی پچاس فیصدی سے زیادہ اور مردوں نے اپنے اڑھائی پونے تین لاکھ میں سے اب تک چھتیس ہزار روپیہ دیا ہے اور زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ اس مکان کو اِس وقت تک ایک احمدی کے پاس رِگروی سمجھئے۔ یوں تو اُنہوں نے قرض دیا ہؤا ہے لیکن بہر حال اس مکان کے لئے دیا ہؤا ہے اِس لئے اُسے رِگروی سمجھو۔ اِس کے ساتھ وہاں کے مبلّغ کی طرف سے اصرار ہو رہا ہے کہ پچھلا قرضہ ادا کرو اور آگے کے لئے مسجد کی تیاری کرو۔ پس ممکن ہے یہ مکان رِگروی رکھنا پڑے لیکن مسجد ہالینڈ کی طرف مَیں سمجھتا ہوں کہ عورتوں کو توجہ دلانے کی اِتنی

ضرورت نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ میری اِس مختصر تحریک سے ہی اپنے فرض کو سمجھنے لگ جائیں گی اور اِس نیک کام کی تکمیل تک پہنچا دیں گی۔

مَیں عورتوں سے کہتا ہوں تمہاری قربانی مردوں سے اس وقت بڑھی ہوئی ہے۔ اپنی اِس شان کو قائم رکھتے ہوئے اپنے دفتر کے قرضہ کو بھی ادا کرواور اس کے ساتھ مسجد ہالینڈ کو بھی نہ بھُولنا۔ اِس کے لئے ابھی کوئی پچاس ہزار روپیہ کے قریب ضرورت ہے۔ ہمارا پہلا اندازہ مکان اور مسجد کی تعمیر کا تیس ہزار کے قریب تھا لیکن اب وہ کہتے ہیں کہ ساٹھ ہزار سے کم میں وہ جگہ نہیں بن سکتی کیونکہ اِس جگہ پر گورنمنٹ کی طرف سے کچھ قیود ہیں اور وہ ایک خاص قسم کی اور خاص شان کی عمارت بنانے کی وہاں اجازت دیتے ہیں اِس سے کم نہیں دیتے۔ پس زمین کی قیمت مِل کر ۹۰ ہزار سے ایک لاکھ تک کا خرچ ہوگا جس میں سے وہ بفضلہٖ چھیالیس ہزار تک اِس وقت تک ادا کر چُکی ہیں۔

یہ باتیں تو مَیں نے عورتوں سے مخاطب ہو کے کی ہیں اب جو باقی باتیں ہیں چونکہ اسلام مردوں کا بھی ہے اور عورتوں کا بھی اِس لئے اِس میں مرد بھی شریک ہوں گے اور عورتیں بھی شریک ہوں گی۔ (الاظہار لذوات الخمار صفحہ ۱۳۱ تا ۱۳۳، الفضل ۲ رجنوری ۱۹۵۲ء)

’’قادیان سے ایک اخبار ’’بدر‘‘ کے نام سے نکلنا شروع ہوُا ہے۔ گو مَیں سمجھتا ہوں کہ ہمارے مُلک کی ضروریات اس سے کچھ زیادہ پوری نہ ہوسکیں گی لیکن دوستوں کو یہ امر ملحوظ رکھنا چاہئے کہ اِس وقت یہاں کے دوست نسبتاً زیادہ اچھی حالت میں ہیں اِس لئے وہ اخبار کی زیادہ مدد کر سکتے ہیں اور ان کی یہ مدد اِس اخبار کی مالی حالت کو مضبوط کرنے کے علاوہ ہندوستان میں اسلام کی تبلیغ میں بھی بڑی مُمِد ثابت ہوگی۔ پس یہ ایک ثواب کا فعل ہے دوستوں کو ضرور اِس اخبار کی مدد کرنا چاہئے۔

’’الفضل‘‘ کے خریداروں کی تعداد میں ایک عرصہ سے کوئی نمایاں اضافہ نہیں ہورہا۔ حالانکہ جماعت کافی بڑھ رہی ہے۔ اخبارات ضروریاتِ زندگی میں سے ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اکثر مجھے اخبار پڑھنے کی تحریک فرمایا کرتے تھے اور ایک روزنامہ اخبار تو بڑی بھاری تربیت گاہ کا رنگ رکھتا ہے۔ اِس کی طرف سے

لاپرواہی اور عدمِ توجّہی اپنے علم کو زنگ لگانے کے مترادف ہے۔ پس احباب کو الفضل کی خریداری بڑھانے کی طرف بھی توجہ دینی چاہئے۔

رسالہ ریویو آف ریلیجنز (انگریزی) اب دوبارہ شائع ہونا شروع ہو گیا ہے اور تبلیغ کی غرض سے مختلف ممالک کی لائبریریوں وغیرہ میں بھی بھجوایا جا رہا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اِسے دس ہزار کی تعداد میں شائع کرنے کی خواہش فرمائی تھی اور ہماری موجودہ طاقت اور تبلیغی ضرورت کے لحاظ سے تو دس ہزار کہتے ہوئے بھی ہمیں شرم آنی چاہئے کیونکہ اب تو اِس سے بہت زیادہ اشاعت کی ضرورت ہے۔ احباب دو طرح سے اِس کی اشاعت میں حصّہ لے سکتے ہیں ایک تو اِس کے خریدار بن کر اور دوسرے اسے موزوں غیر مسلم اصحاب یا لائبریریوں میں پہنچانے کے لئے چندہ دے کر۔

ایک بات میں دوستوں کو یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہر سال جو دُنیا میں آتا ہے وہ اپنے ساتھ کچھ نئی مُشکلات لاتا ہے اور کچھ نئی آسانیاں بھی لاتا ہے۔ جو قوم یا جو فرد بھی یہ خیال کر لیتا ہے کہ بس ہمارے اُوپر پچھلے پانچ یا سات سال سے جو کچھ گزرا تھا وہی گزرتا چلا جائے اُس سے زیادہ نادان اور غافل کوئی نہیں ہوسکتا۔ یقیناً ساری دُنیا بدلتی ہے، بدلتی چلی جائے گی اور جب دُنیا بدلتی ہے تو کونسا انسان ایسا ہوسکتا ہے جو ایک جگہ پر کھڑا رہے اور اُس کے لئے حالات نہ بدلیں۔ ہر گھر میں دیکھ لو ہر سال میں کوئی مر جاتا ہے اور کوئی پیدا ہو جاتا ہے۔ گویا ایک صورت ترقی کی ہو جاتی ہے اور ایک تنزل کی ہو جاتی ہے اور اِس طرح لوگ بالعموم سموئے جاتے ہیں۔ آہستہ آہستہ دُنیا کا قدم آگے نکلتا چلا جاتا ہے اور بعضوں کا آہستہ آہستہ نیچے گرنا شروع ہو جاتا ہے لیکن یہ دونوں باتیں ایک وقت میں لگی ضرور رہتی ہیں مگر جماعت کے دوستوں کو مَیں نے دیکھا ہے کہ قومی لحاظ سے انہیں اس کا احساس نہیں ہوتا۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جس حالت سے ہم گزر رہے ہیں اُسی حالت میں ہم گزرتے چلے جائیں اور یہ ناممکن بات ہے۔ اگر اِسی حالت میں ہم گزرتے چلے جائیں تو یقیناً ہم پر ایک موت طاری ہو جائے گی۔ درحقیقت انسان موت سے بچتا ہے حرکت کے ساتھ۔ تمام قرآن کریم اِسی سے بھرا ہؤا ہے کہ کام کرنا اور عمل کرنا بس یہی انسان کی

زندگی کا موجب ہوتا ہے۔ اور اب تو دیکھ لو جو نیا اضافی فلسفہ نکلا ہے اور آئن سٹائن نے نکالا ہے اِس میں اُس نے اصول ہی یہ رکھا ہے کہ ایک خاص حد تک تیز رفتار میں موت سے انسان بچ جاتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہلاکت اور تباہی اِس تیزی سے پیچھے پیچھے ہے۔ جب کوئی چیز سورج کی روشنی کے برابر رفتار میں تیز ہو جائے گی وہ موت سے بچ جائے گی۔ تو تیز رفتار انسان کو ہلاکت سے بچاتی ہے۔ کھڑے رہنے کی خواہش کرنا یا آہستہ چلنے کی خواہش کرنا قوم کو تباہ کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ ضرور نئی نئی مُشکلات لاتا ہے تاکہ لوگوں کے اندر بیداری پیدا ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ نئی نئی مُشکلات نہ لائے تو آہستہ آہستہ لوگ سُست ہوتے چلے جائیں۔ قرآن کی طرف رغبت کم ہو جائے، دین کی طرف رغبت کم ہو جائے، قربانیوں کی طرف رغبت کم ہو جائے اور پھر وہ ایک قسم کے جانور بن کر رہ جائیں انسان نہ رہیں۔ اور اب تو ایک اَور دلچسپی کی چیز ہمارے لئے پیدا ہو گئی ہے جو ہمارے لئے خدا نے پیدا کی ہے کیونکہ اِس کے فوائد اگر اسلام کو پہنچیں گے تو اسلام ہمارا ہے ہم اس کے دعویدار ہیں اور وہ پاکستان ہے۔ ہمارے لئے بھی کچھ نہ کچھ نئی مُشکلات پیدا ہو جاتی ہیں اور پاکستان کے لئے بھی اور باقی عالَمِ اسلام کے لئے بھی۔ کمزور انسان اِن باتوں کو دیکھ کر گھبراتا ہے وہ کہتا ہے یہ مصیبت آ گئی وہ مصیبت آ گئی لیکن عقل مند انسان سمجھتا ہے کہ اِن مصیبتوں کے بغیر میری قوتِ عملیہ کبھی بھی اپنے پورے زور میں نہیں آئے گی اور بغیر اِس کے کہ قوتِ عملیہ اپنے پورے زور پر آئے مسلمان ترقی نہیں کر سکتے۔

ہماری ذاتی مُشکلات میں سے سب سے پہلے احرار کی مخالفت ہے۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ جہاں تک اِن کی مخالفت کا سوال ہے اس کے دو پہلو ہیں۔ ایک پہلو تو اِس کا یہ ہے کہ لوگوں کے اندر مخالفت ہوتی ہے اور وہ مخالفت کی وجہ سے ہماری باتوں کے سُننے کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ اُن کے دلوں میں غصّہ پیدا ہوتا ہے یہ چیز تو ہمارے لئے بُری ہوتی ہے۔ مگر ایک صورت یہ بھی ہوا کرتی ہے کہ جب کوئی شخص مخالفت کی باتیں سُنتا ہے تو وہ پھر کرید تا ہے کہ اچھا! یہ ایسے گندے لوگ ہیں۔ ذرا مَیں بھی تو جا کے دیکھوں۔ اور جب وہ دیکھتا ہے تو حیران ہو جاتا ہے کہ جو باتیں مجھے اُنہوں نے بتائی تھیں وہ تو بالکل اور تھیں

اور یہ باتیں جو کہتے ہیں بالکل اور ہیں اَور وہ ہدایت کو تسلیم کر لیتا ہے۔

مجھے خوب یاد ہے مَیں چھوٹا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام مسجد میں تشریف رکھتے تھے، مجلس لگی ہوئی تھی کہ ایک صاحب رام پور سے تشریف لائے۔ وہ رہنے والے تو لکھنؤ یا اُس کے پاس کے کسی مقام کے تھے، چھوٹا سا قد تھا، دُبلے پتلے آدمی تھے۔ ادیب تھے، شاعر تھے اور اُن کو محاوراتِ اُردو کی لُغت لکھنے پر نواب صاحب رامپور نے مقرر کیا ہؤا تھا، وہ آ کے مجلس میں بیٹھے اور اُنہوں نے اپنا تعارف کروایا کہ میں رام پور سے آیا ہوں اور نواب صاحب کا درباری ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے پوچھا کہ آپ کو یہاں آنے کی تحریک کس طرح ہوئی؟ اُنہوں نے کہا مَیں بیعت میں شامل ہونے کے لئے آیا ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرمانے لگے۔ اِس طرف تو ہماری جماعت کا آدمی بہت کم پایا جاتا ہے، تبلیغ بھی بہت کم ہے، آپ کو اس طرف آنے کی تحریک کس نے کی؟ تو یہ لفظ میرے کانوں میں آج تک گونج رہے ہیں اور مَیں آج تک اِس کو بھُول نہیں سکا حالانکہ میری عمر اُس وقت سولہ سال کی تھی کہ اِس کے جواب میں اُنہوں نے بے ساختہ طور پر کہا کہ یہاں آنے کی تحریک مجھے مولوی ثناء اللہ صاحب نے کی۔ مَیں تو شاید اپنی عمر کے لحاظ سے نہ ہی سمجھا ہوں گا مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اِس پر ہنس پڑے اور فرمایا۔ کس طرح؟ اُنہوں نے کہا مولوی ثناء اللہ صاحب کی کتابیں دربار میں آئیں۔ نواب صاحب بھی پڑھتے تھے اور مجھے بھی پڑھنے کے لئے کہا گیا تو مَیں نے کہا جو جو حوالے یہ لکھتے ہیں مَیں ذرا مرزا صاحب کی کتابیں بھی نکال کر دیکھ لوں کہ وہ حوالے کیا ہیں۔ خیال تو مَیں نے یہ کیا کہ مَیں اِس طرح احمدیت کے خلاف اچھا مواد جمع کر لوں گا لیکن جب مَیں نے حوالے نکال کر پڑھنے شروع کئے تو ان کا مضمون ہی اَور تھا۔ اِس سے مجھے اور دلچسپی پیدا ہوئی اور مَیں نے کہا کہ چند اور صفحے بھی اگلے پچھلے پڑھ لوں۔ جب مَیں نے وہ پڑھے تو مجھے معلوم ہؤا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت اور آپ کی شان اور آپ کی عظمت جو مرزا صاحب بیان کرتے ہیں وہ تو اِن لوگوں کے دلوں میں ہے ہی نہیں۔ پھر کہنے لگے مجھے فارسی کا شوق تھا۔ اِتفاقاً مجھے درثمین فارسی مل گئی اور مَیں

نے وہ پڑھنی شروع کی تو اِس کے بعد میرا دل بالکل صاف ہو گیا اور مَیں نے کہا کہ جا کر بیعت کر لوں۔

تو مخالفت ایک رنگ میں مفید بھی ہؤا کرتی ہے اور ایک رنگ میں مُضر بھی ہؤا کرتی ہے۔ یعنی لوگ جوش میں آ جاتے ہیں اور بعض دفعہ فساد کرنے لگ جاتے ہیں اور بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ وہ سلسلہ کی باتیں سُننے سے آئندہ محروم رہ جاتے ہیں۔ پس اِن دونوں نقطۂ نگاہ سے ہمیں اپنے نظریئے تبدیل کرنے پڑتے ہیں۔ جو مخالفت کا نقطۂ نگاہ ہے اس سے ہم کو اپنا یہ نقطہ نگاہ تبدیل کرنا پڑتا ہے کہ ہم جس چُستی کے ساتھ اپنا لٹریچر لکھ رہے تھے، جس طرز سے ہم اپنا لٹریچر لکھ رہے تھے، جس طرح ہم اِس کی اشاعت کر رہے تھے، جس طرح ہم تبلیغ کر رہے تھے ہم کو معلوم ہو جاتا ہے کہ اب وہ زمانہ نہیں رہا کہ ہم پُرانے ڈگر پر چل سکیں اور اپنے پُرانے طریق پر لوگوں تک پہنچ سکیں کیونکہ اب لوگوں کے دل ہماری نسبت انقباض محسوس کر رہے ہیں اور اب ہمیں ان تک پہنچنے کے لئے نئے طریقے اور نئی طرزیں ایجاد کرنی پڑیں گی۔ اور جہاں تک لوگوں کو توجہ ہوتی ہے اس کے لحاظ سے ہمارے لئے سہولت پیدا ہو جاتی ہے کہ لوگ خود ہمارے گھروں تک پہنچتے ہیں۔ مَیں نے دیکھا ہے اِس زمانہ میں بھی مخالفت کے باوجود کئی لوگ ہمارے پاس آتے ہیں اور وہ یہی بتاتے ہیں کہ ہم نے مخالفوں کی باتیں سُنیں اور اِس کی وجہ سے سلسلہ کی طرف متوجہ ہو گئے۔

دوسرا امر جو اِس سال ہمارے لئے وجہِ تشویش بنا رہا ہے یہ ہے کہ ہندوستان کے بعض علاقوں میں بسنے والی احمدی جماعتوں کے لئے بعض وجوہ کی بناء پر نئی نئی مُشکلات پیدا کی جا رہی ہیں۔

تحریک جدید اِس وقت ایک نازک دَور میں سے گزر رہی ہے۔ ہمارے جو مبلغین سالہا سال سے مختلف ممالک میں متعیّن ہیں اُن کے تبادلے کی وجہ سے ہمارا خرچ بہت بڑھ گیا ہے لیکن آمد میں کوئی خاص اضافہ نہیں ہؤا۔ گو اِس سال دوستوں نے وعدوں میں بھی اور وصولی میں بھی گزشتہ سال کی نسبت اچھا نمونہ دکھایا ہے لیکن ابھی اِس طرف بہت توجہ کی ضرورت ہے تاکہ تحریک پر قرض کا جو بار آ پڑا ہے اُسے اُتارا جا سکے۔ دوست

زیادہ سے زیادہ وعدے لکھائیں اور پھر نہ صرف اِس سال کے بلکہ گزشتہ سال کے وعدوں کی وصولی کے لئے بھی خاص کوشش کریں۔

اِس سال ہمارے علاوہ عام مسلمانوں کے لئے بھی کافی مُشکلات رہی ہیں۔ مثلاً کشمیر کا مسئلہ ہے جو حل ہونے میں ہی نہیں آتا۔ میرے نزدیک اس مسئلہ کو یوں غیر معیّن عرصہ کے لئے مُلتوی کرنا قرینِ مصلحت نہیں ہے۔ ایک لمبے عرصہ تک باشندگانِ کشمیر کو ایک غیر مُلکی حکومت کے ماتحت رہنے دینا اور پھر یہ اُمید کرنا کہ وہ ہمیں ووٹ دیں گے کوئی ایسی تشفّی کی بات نہیں ہے۔ پھر ہمارے مُلک میں اِسی سال نوابزادہ لیاقت علی صاحب کا قتل بھی ایک افسوسناک واقعہ ہے جو نتیجہ ہے مولویوں کے اُس پروپیگنڈا کا کہ جس سے اختلافِ رائے ہو بے شک اُسے قتل کر دیا کرو۔

مسئلہ فلسطین بھی کشمیر کے مسئلہ سے کم اہم نہیں ہے۔ یہ ایک چھوٹا سا مُلک ہے اور وہاں لاکھوں مہاجرین کو آباد کرنے کا سوال درپیش ہے۔ پاکستان کو یہ سہولت تھی کہ یہ ایک وسیع مُلک ہے جہاں مہاجرین کافی تعداد میں بسائے جا سکتے تھے لیکن وہاں یہ حالت نہیں ہے۔ مہاجرین کی آبادکاری کے سوال کے علاوہ اِس مسئلہ کا ایک نازک اور اہم پہلو یہ ہے کہ ہمارے آقا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار میں دُشمنِ اسلام کو بسا دیا گیا ہے۔ مَیں نے تو ابتداء میں ہی اِس خدشہ کا اظہار کیا تھا لیکن اب تو یہودی علانیہ اپنی کتابوں میں مدینہ منورہ اور مکّہ معظّمہ پر قابض ہونے کے ناپاک عزائم کا اظہار کرنے لگے ہیں۔ علاوہ ازیں ایران میں تیل کا مسئلہ، مصر کا برطانیہ سے تنازعہ، سوڈان کی بے چینی اور شام کے فسادات یہ سب ایسے امور ہیں جو مسلمانوں کے لئے تکلیف دِہ ہیں۔ ہم تعداد میں بہت کم ہیں اِس لئے ان مُشکلات کے ازالہ کے لئے عملاً زیادہ حصّہ نہیں لے سکتے لیکن کم از کم دُعا کا ہتھیار تو ہمارے پاس ہے۔ پس آؤ ہم دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی اِن مُشکلات کو اپنے خاص فضل سے دُور کرے اور نقصان کی بجائے ان مُشکلات کو اسلام کی ترقی کا ذریعہ بنائے۔ آمین

احمدیت بہرحال ترقی کرے گی

اِس سال اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت کے تبلیغی مشنوں میں اضافہ ہوا ہے جس کے نتیجہ میں ہماری تبلیغ میں وسعت پیدا ہوئی ہے اور جماعت نے ترقی کی ہے۔ جس مقام پر ہم آج ہیں یقیناً گزشتہ سال وہ مقام ہمیں حاصل نہ تھا اور جس قسم کے تغیرات اِس وقت رونما ہو رہے ہیں اِن سے پتہ چلتا ہے کہ جس مقام پر ہم آج ہیں آئندہ سال انشاء اللہ ہم اِس سے یقیناً آگے ہوں گے۔ یہ تغیرات نہ تمہارے اختیار میں ہیں نہ میرے یہ خدا تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہیں۔ بس انسانی تدابیر کو نہ دیکھو بلکہ خدائی تقدیر کی اُنگلی کو دیکھو جو یہ بتا رہی ہے کہ حالات خواہ اچھے ہوں یا بُرے احمدیت کی گاڑی بہرحال چلتی چلی جائے گی۔ انشاء اللہ (نعرہ ہائے تکبیر)

ہم نے ربوہ کی زمین خرید کر یہاں مہاجرین کو آباد کرنے کے لئے مختلف قواعد بنائے تھے یقیناً ان قواعد کی رو سے ہم سَو فیصدی سب کو خوش نہیں کر سکتے تھے چنانچہ جن دوستوں کو اِس سے کچھ نقصان پہنچا ہے اُنہوں نے اِس سلسلے میں بے چینی اور بے اطمینانی کا اظہار کیا ہے۔ یہ بے چینی دُنیوی روح پر دلالت کرتی ہے گو ساتھ ہی زیرکی اور دانائی کی بھی علامت ہے لیکن محض دُنیوی زیرکی اور دانائی کی۔ مَیں اِن دوستوں سے کہتا ہوں کہ تمہاری یہ بے چینی درست ہوتی بشرطیکہ تمہیں غیب کا علم ہوتا۔ جب تمہیں یہ معلوم ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کون ہمسایہ تمہارے لئے اچھا ہوگا اور کون سی جگہ تمہارے اور تمہارے اہل و عیال کی صحت کے لئے اچھی ہوگی تو پھر اِس بے چینی کا کیا مطلب؟ تمہارے لئے تو ایک ہی محفوظ طریق ہے اور وہ یہ کہ جہاں تک ظاہری حالت کا تعلق ہے بے شک ایک حد تک انہیں مدنظر رکھو لیکن اگر دوسرے بھائی سے اختلاف اور رنجش کی صورت ہوگئی ہے تو پھر استخارہ کرو اور معاملہ خدا تعالیٰ پر چھوڑ دو۔ آخر تمہیں کیا پتہ کہ کونسا قطعہ تمہارے لئے اچھا ثابت ہوگا۔ پس کیوں نہیں تم خدا تعالیٰ پر معاملہ چھوڑ دیتے تا کہ اس کی مشیئت میں جو تمہارے لئے بہتر ہے وہی ہو جائے۔

ایک اور بات جس کا مَیں ذکر کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ مَیں نے گزشتہ سالوں میں

ایک سکیم تیار کی تھی اور اِس بات کی خواہش کی تھی کہ سلسلہ کی طرف سے کچھ لٹریچر شائع کیا جائے۔ کچھ بچوں کے لئے ہو، کچھ درمیانی عمر والوں کے لئے ہو اور کچھ بڑے لوگوں کے لئے ہو۔ مجھے افسوس ہے کہ ہمارے مصنفین اور علماء نے اِس کی طرف پوری توجہ نہیں کی اِس لئے اب مَیں نے اِس کو خود اپنی نگرانی میں لے کر آدمی مقرر کر دیئے ہیں کہ تم یہ کام کرو۔ پہلے ہم نے بچوں کا حصّہ لیا ہے اور کچھ کتابیں مختلف لوگوں کے ذمّہ لگا دی ہیں کہ یہ تم نے چند مہینوں کے اندر پوری کر کے دینی ہیں چنانچہ یہ کتابیں فی الحال مَیں نے لوگوں کے سپرد کر دی ہیں۔ (۱) ہستی باری تعالیٰ پر ایسا سادہ مضمون جس کو بچے سمجھ سکیں۔ (۲) معیار و شناخت نبوت۔ (۳) دُعا۔ (۴) قضاء و قدر۔ (۵) بعث بعد الموت۔ (۶) بہشت و دوزخ۔ (۷) معجزات۔ (۸) فرشتے۔ (۹) صفاتِ الٰہیہ۔ (۱۰) ضرورتِ نبوت و شریعت اور اس کا ارتقاء۔ (۱۱) عبادت اور اس کی ضرورت۔ (۱۲) نماز۔ (۱۳) ذکرِ الٰہی۔ (۱۴) روزہ۔ (۱۵) حج۔ (۱۶) زکوٰۃ۔ (۱۷) معاملات۔ اچھے شہری کے فرائض، ورثہ، تعلیم، تربیت افراد میں قوم کا فرض اور اس کی ذمّہ داریاں۔ (۱۸) اخلاق اور ان کی ضرورت، ملّت شخص پر مقدم ہے، فرد پر خاندان مقدم ہوتا ہے۔ حکومت قوم پر مقدم ہوتی ہے، ظاہر و باطن دونوں کی ضرورت اور اہمیت۔ (۱۹) ماں باپ پر بچوں کے متعلق فرائض اور بچوں پر ماں باپ کے متعلق فرائض۔ (۲۰) حفظانِ صحتِ جسمانی بحیثیت ماحول اور حفظان صحتِ جسمانی بحیثیت فرد۔ (۲۱) محنت کی عادت اور وقت کی پابندی، ایفائے عہد، مظلوم کی امداد، سچ، جھوٹ سے پرہیز۔ (۲۲) چندہ اور اس کی اہمیت، تبلیغ اور اس کی اہمیت، زندگی وقف کرنے کی اہمیت۔ (۲۳) احمدیت کو مدنظر رکھتے ہوئے ہندوستان اور پاکستان کی اہمیت۔ (۲۴) حکومتِ اسلامی، حکومت اور رعایا کے تعلقات، جہاد۔ ان میں سے بعض مضامین پر تو مستقل رسالہ ہوگا اور بعض تین تین، چار چار عنوانوں پر ایک ایک رسالہ ہوگا۔ یہ انشاء اللہ دو تین مہینے میں اُمید ہے کہ کتابیں تیار ہو جائیں گی اور پھر ان کو اگلے سال یعنی ۱۹۵۲ء میں انشاء اللہ چھپوا دیا جائے گا۔ اِس طرح بچوں کی تربیت اور تعلیم میں بہت کچھ مدد مل جائے گی۔

دوسرا طریق مَیں نے بڑے مضامین کے متعلق سوچا۔ مَیں نے پچھلے سال تحریک کی کہ ہمارے جو جامعہ کے لڑکے ہیں اُن کو ڈگری نہ دی جائے جب تک یہ کسی نہ کسی مضمون کے متعلق کتاب نہ لکھ دیں۔ اِس کے ذریعہ بھی بڑا مفید لٹریچر جمع ہو جائے گا۔ عنوان ہم مقرر کریں گے اور کام ان سے لیں گے۔ اِس طرح وہ مستقل کتابیں پیدا ہو جائیں گی جن کے ذریعہ ہماری جماعت بھی فائدہ اُٹھائے گی اور دوسرے لوگ بھی فائدہ اُٹھا سکیں گے۔ اِس سال چونکہ یہ بے وقت کارروائی شروع ہوئی اِس لئے یہ فیصلہ کیا گیا کہ بجائے لمبی کتاب دینے کے پچھتّر صفحوں کی کتاب مقرر کر دی جائے اور ایسے عنوان مقرر کئے جائیں جن کو وہ زیادہ آسانی کے ساتھ لکھ سکیں۔ چنانچہ یہ کتابیں اِس سال انشاء اللہ وہ تھیسس کے طور پر لکھیں گے اور پھر اِن کو سلسلہ کی طرف سے (جو اِن میں سے مفید ہوں گی) شائع کر دیا جاے گا۔

(۱) احکامُ الصلوٰۃ اور ان کی اصولی حکمتیں۔

(۲) اجرائے نبوت فِی الاُمة (حدیث کی روشنی میں جو کچھ اس مسئلہ پر علمائے سلسلہ لکھتے آئے ہیں ان کا خلاصہ اور نئی تحقیق)

(۳) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تصانیف کی وجہ سے غیر احمدی مصنفین پر کیا اثر پڑا ہے۔ (مسائل کے لحاظ سے)

(۴) اشتراکیت اور مذہب

(۵) الامام المہدی (اسلامی لٹریچر میں پہلے اِس کی کیا اہمیت رہی ہے اور اب مسلمان اِس حقیقت کو کس طرح فراموش کرتے جا رہے ہیں)

(۶) ہمارے مشن (یعنی اب تک جس جس جگہ ہمارے مشن قائم ہوئے ان کا ذکر نیز ان ممالک کے مختصر ضروری جغرافیائی اور تاریخی احوال اور مذہبی تحریکیں نیز مشن کے قیام کی تاریخ، کام کی نوعیت اور نتیجہ)

(۷) ہجرت از قادیان اور پیشگوئی دربارہ واپسی۔

(۸) مودودی تحریک پر تبصرہ۔

(۹) حضرت مسیح ناصریؑ کی سیرت قرآن مجید کی روشنی میں۔
(۱۰) تاریخِ اسلام بعہد حضرت عمرؓ۔
(۱۱) تاریخِ اسلام بعہد حضرت ابوبکرؓ۔
(۱۲) سُود کے متعلق ہمارا نقطۂ نظر۔
(۱۳) علوم متعلقہ حدیث۔
(۱۴) جہاد۔
(۱۵) انڈیکس کتاب تذکرہ۔
(۱۶) احکام صَوم اور اس کی اصولی حکمتیں۔
(۱۷) اسلامی قانون وراثت۔

یہ گویا ۱۷ کتابیں انشاء اللہ تعالیٰ مارچ تک تیار ہو جائیں گی اور خدا تعالیٰ نے چاہا تو ان میں سے بہت سی ۱۹۵۲ء میں شائع کر دی جائیں گی۔ آئندہ کے لئے اس سے زیادہ وسیع مضامین دینے کا ارادہ ہے۔ چونکہ اِس دفعہ لڑکوں کو صرف تین تین مہینے کی مُہلت دی گئی ہے۔ طریقِ کار یہ اختیار کیا گیا ہے کہ وہ ہیڈنگ جو رکھے گئے ہیں اِن کے متعلق کہا گیا کہ وہ ان کے ضمنی عنوان لکھ کر لائیں کہ ان کے کون کون سے پہلوؤں پر وہ روشنی ڈالیں گے پھر ان کا پروفیسر جس کے ذمہ وہ مضمون لگایا گیا ہے پرنسپل اور وکیل التعلیم اور وہ طالبعلم باری باری میرے پاس آئے اور میری مجلس میں ان پر غور کر کے اس کی اصلاح کی گئی جو غیر ضروری مضمون تھے وہ کاٹے گئے اور جو ضروری حصّے رہ گئے تھے اُن کو داخل کر کے پھر وہ مضمون ان کو دیا گیا کہ اس پر وہ کتاب لکھ کر لائیں۔ آئندہ کے لئے ارادہ ہے زیادہ مستقل کتابیں ہوں جن کے اوپر وہ ایک لمبا عرصہ غور کرنے کے بعد مضمون لکھ سکیں۔

اس کے علاوہ کچھ لٹریچر ہندوؤں اور سکھوں کے لئے بھی تیار ہو رہا ہے۔ جماعت کو اس کے متعلق یہ امر یاد رکھنا چاہیئے کہ کتابیں اگر لکھ کر الماریوں میں پڑی رہیں تو کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ دوستوں کو کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالنی چاہیئے اور کتابیں پڑھوانے کی

عادت ڈالنی چاہئے۔ دُنیا میں سب سے اچھا جلیس کتاب ہوتی ہے کیونکہ انسان کسی جگہ پر بھی جائے وہ جلیس ساتھ جا سکتا ہے۔ تمہارا گہرے سے گہرا دوست جب تم گھر میں جاتے ہو تو وہ باہر رہ جاتا ہے۔ تمہارا گہرے سے گہرا دوست اپنے بیوی بچوں کی ضرورتوں کے لئے رات کو تمہیں چھوڑ کر چلا جاتا ہے لیکن تمہاری کتاب ہر وقت ساتھ رہ سکتی ہے۔ رات کو تم سوتے ہو، بیوی تمہارے ساتھ ہے، دروازے بند کئے ہوئے ہو، پردہ کئے ہوئے ہو، اُس نے بھی کتاب اُٹھائی ہوئی ہے اور تم نے بھی ایک کتاب اُٹھائی ہوئی ہے دونوں پڑھتے چلے جاتے ہیں۔ علم بڑھتا چلا جاتا ہے۔ کوئی خاص مسئلہ تمہیں پسند آتا ہے تو تم اس سے مخاطب ہو جاتے ہو۔ کوئی خاص مسئلہ اُسے پسند آتا ہے تو وہ تم سے مخاطب ہو جاتی ہے۔ اِس طرح دونوں اپنے تبادلۂ خیالات سے اپنے گھر کا علم بھی بڑھاتے جاتے ہیں، اپنے خاندان کا علم بھی بڑھاتے جاتے ہیں اور پھر اپنے ہمسایہ اور اپنی قوم کا علم بھی بڑھاتے جاتے ہیں۔

تو سب سے پہلی ذمہ داری جماعت پر یہ ہے کہ وہ اس لٹریچر کو خریدے۔ دوسری ذمہ داری یہ ہے کہ پھر وہ اپنی عورتوں اور بچوں کو پڑھوائیں اور تیسری ذمہ داری جو مَیں سمجھتا ہوں کہ اس کے بغیر علم وسیع نہیں ہوسکتا یہ ہے کہ ہر جماعت میں لائبریریاں کھولی جائیں۔ اگر ہم ہر جماعت میں لائبریریاں کھول دیں تو مَیں سمجھتا ہوں ہماری تبلیغ کئی گُنا وسیع ہوسکتی ہے۔ لائبریری کے لئے کوئی دوست کچھ وقت دے دیا کریں۔ آخر جو چندہ جمع کرتا ہے اُس کو بھی گھر بیٹھے چندہ نہیں آجاتا دن میں سے گھنٹہ دو گھنٹے وہ وقف کرتا ہے تبھی چندہ آتا ہے۔ بعض دفعہ شام کے وقت جب وہ سمجھتا ہے کہ مجھے فُرصت ہے تو اِس کام کے لئے نکل کھڑا ہوتا ہے بلکہ بڑے شہر والوں نے تو بتایا کہ اُنہیں دو دو تین تین گھنٹے روزانہ وقت دینا پڑتا ہے۔ اِسی طرح کوئی شخص لائبریری کے لئے بھی وقت دے سکتا ہے اور کہہ سکتا ہے کہ شام کو پانچ بجے سے سات بجے تک یا چھ سے آٹھ بجے تک یا سات سے نَو بجے تک لائبریری کھلے گی اور لوگوں کو کتابیں دی جائیں گی۔ کچھ اخبار بھی منگوا کر رکھے جاسکتے ہیں۔ چھوٹی جماعتوں کے لئے تو کتابیں تقسیم کرنے والی لائبریری زیادہ اچھی رہتی

ہے اُن سے اِتنا خرچ برداشت نہیں ہوسکتا کہ میزیں ہوں اور کُرسیاں ہوں لیکن بڑے شہر مثلاً لاہور ہے، کراچی ہے، ملتان ہے، پشاور ہے، راولپنڈی ہے، لائل پور ہے۔ اِسی طرح مَیں سمجھتا ہوں کہ پاکستان میں بنگال کو ملا کر کوئی بیس پچیس ایسے شہر ہیں جن میں باقاعدہ احمدی لائبریریاں ہونی چاہئیں اور باقی جگہ ایسی لائبریریاں ہونی چاہئیں جو کتابیں تقسیم کرنے والی ہوتی ہیں۔ گھر کی ایک الماری میں کتابیں رکھی ہوئی ہوں اور ایک صفحہ پر کتابوں کی لِسٹ چھپوا کر لوگوں میں تقسیم کر دی جائے کہ یہ ہماری لسٹ ہے جس نے کوئی کتاب پڑھنی ہو وہ بتا دے ہم اُس کے گھر پر پہنچا دیں گے اور جب وہ کتاب پڑھ کر واپس کر دے تو پھر دوسروں کو دے دی جائے۔

پردہ بِل اور اسلام

حال ہی میں پنجاب اسمبلی کے ایک رُکن عبدالستار صاحب نیازی نے اسمبلی میں پردہ بل پیش کرنے کی کوشش کی تھی جو کامیاب نہ ہوسکی۔ اِس بِل کی غرض یہ تھی کہ جو عورتیں پردہ کی پابندی نہیں کرتیں اُنہیں قانوناً مجرم سمجھا جائے اور سزا دی جائے۔

(حضور نے اِس بِل کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:-)

اِس بِل پر بہت لے دے ہوئی ہے۔ ایک طبقہ کا یہ خیال ہے کہ جب اسلام نے پردہ کا حُکم دیا ہے تو اِس کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ضرور سزا ملنی چاہئے لیکن دوسرے طبقہ نے یہ کہا ہے کہ جب قرآن مجید نے بے پردگی کے لئے کوئی سزا تجویز نہیں کی تو ہماری طرف سے سزا تجویز کرنا شریعت میں دخل اندازی کے مترادف ہوگا۔ دراصل اِس مسئلہ کو ایک عجیب گورکھ دھندا بنا دیا گیا ہے۔ اگر یہ سمجھا جائے کہ چونکہ پردہ ایک اسلامی حُکم ہے اِس لئے اِس کی خلاف ورزی پر ضرور سزا ملنی چاہئے تو سوال یہ ہے کہ کیا دیگر اسلامی احکام کی خلاف ورزی پر سزا ملتی ہے؟ قرآن مجید نے سُود سے منع کیا ہے لیکن پاکستان کے سارے محکمے سُود لیتے ہیں۔ اسلام مساوات کی تعلیم دیتا ہے لیکن یہ مساوات پاکستان میں کہاں نظر آتی ہے اور اگر یہ دلیل مان لی جائے کہ جس معاملہ میں قرآن مجید نے کوئی سزا تجویز نہ کی ہو اُس میں دخل اندازی نہیں کرنی چاہئے تو سوال یہ ہے کہ آج پاکستان

میں جو تعزیرات نافذ ہیں کیا ان سب کا قرآن مجید نے ذکر کیا ہے؟ اس دلیل کی رو سے تو پاکستان کی تعزیرات میں سے نصف کے قریب فوراً منسوخ کرنی پڑیں گی کیونکہ ان کا قرآن مجید میں کوئی ذکر نہیں ہے۔

درحقیقت اِس قسم کے بل پیش کرنے اور پھر اِن کو مسترد کرنے کے لئے اِس قسم کی دلیلیں دینے سے صاف پتہ چلتا ہے کہ آج مسلمان کس قدر پراگندہ خیال ہو چکے ہیں۔ وہ بالکل متضاد چیزیں پیش کرتے ہیں اور پھر اُنہیں اسلام کا نام دے دیتے ہیں۔ مثلاً اگر پاکستان میں یہ قانون پاس ہو جاتا تو یہاں پردے کی خلاف ورزی کرنے پر سزا ملتی۔ لیکن اس کے برعکس ٹرکی میں یہ قانون جاری ہے کہ جو پردہ کرے اُسے سزا دی جائے۔ اور کئی دیگر اسلامی مُمالک میں یہ قانون رائج ہے کہ نہ پردے کی پابندی پر سزا ملتی ہے اور نہ اسے چھوڑنے پر۔ گویا تینوں متضاد صورتیں اسلامی ممالک میں رائج ہیں لیکن تینوں صورتوں کو اسلام کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہی وہ پراگندہ خیالی ہے جسے دور کرنے کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام مبعوث ہوئے ہیں۔ آپ نے یہی بتایا ہے کہ جب تک مسلمان اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے ہوئے ایک ہاتھ پر جمع نہ ہوں گے تا ساری اسلامی دُنیا میں ایک ہی قانون اور فتویٰ جاری ہو اُس وقت تک وہ کبھی بھی موجودہ انتشار اور پراگندگی سے بچ نہیں سکتے نہ مذہبی طور پر نہ سیاسی طور پر۔

گو ہماری ہر جگہ مخالفت کی جاتی ہے لیکن ذرا غور کرو احمدیت کی ضرورت کتنی واضح ہو جاتی ہے۔ اِس تمسخر کو دیکھ کر جو آج خود مسلمان اسلام سے کر رہے ہیں ہر طبقہ اور ہر فرقہ اپنے خیال اور اپنی خواہش کو اسلام کی طرف اور قرآن کی طرف منسوب کر دیتا ہے اور اپنی اکثریت کے زعم میں دوسروں سے جبراً اپنے مسلک کو منوانے کی کوشش کرتا ہے۔ ایسا کرنے میں آج وہ اخبار بھی شامل ہے جس نے حال ہی میں حکومت کو میرے خلاف کارروائی کرنے کا مشورہ دیا ہے۔ مَیں ایسے اخبار نویسوں کو کہتا ہوں کہ تمہاری یہ دھمکیاں اِس لئے ہیں تا کہ تم زیادہ ہو اور ہم تھوڑے ہیں ورنہ کیا وجہ ہے کہ تم اس قسم کی باتیں انگریزوں اور ہندوؤں کے متعلق نہیں کہتے؟ یہ محض اکثریت میں ہونے کا نتیجہ ہے کہ تم ایسی

باتیں کر رہے ہو لیکن غور کرو کیا ابوجہل کی بھی یہی دلیل نہیں تھی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کوئی حق نہیں کہ وہ ہمارے مُلک کی ننانوے فیصدی آبادی کے خیالات کے خلاف کوئی بات کہے۔ آخر آج جو دلیل تم دیتے ہو کیا وہی دلائل ابوجہل نہیں دیا کرتا تھا؟ تمہارے کہنے پر حکومت بے شک مجھے پکڑ سکتی ہے، قید کر سکتی ہے، مار سکتی ہے لیکن میرے عقیدہ کو وہ دبا نہیں سکتی۔ اِس لئے کہ میرا عقیدہ جیتنے والا عقیدہ ہے وہ یقیناً ایک دن جیتے گا تب ایسا تکبر کرنے والے لوگ پشیمان ہونے کی حالت میں آئیں گے اور اُنہیں کہا جائے گا بتاؤ کیا تمہارا فتویٰ اب تم پر عاید کیا جائے؟ جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکّہ فتح کیا اور اکثریت کا گھمنڈ کرنے والے لوگ آپؐ کے سامنے پیش ہوئے تو آپؐ نے اُنہیں فرمایا بتاؤ اب تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ آپ کا مقصد یہ کہنے سے یہی تھا کہ وہ اپنی اکثریت کے زعم میں جو کچھ کہا کرتے تھے وہ اُنہیں یاد دلایا جائے۔ کفار نے کہا بے شک ہم نے بہت ظلم کئے لیکن ہم آپؐ سے یوسفؑ والے سلوک ہی کی اُمید کرتے ہیں۔ مَیں بھی کہتا ہوں کہ اُس دن جب تمہارا اکثریت میں ہونے کا غرور ٹُوٹ جائے گا تو خواہ اُس وقت میں ہوں یا میرا قائمقام تم سے بھی بہرحال یوسفؑ والا سلوک ہی کیا جائے گا۔ (انشاءاللہ)

اصل دیکھنے والی چیز ہمارے لئے یہ ہے کہ ہم سوچیں اور غور کریں کہ کیا واقعی ہم نے اپنے خدا کو خوش کر لیا ہے؟ کیا ہمیں وہ چیز مل گئی ہے جس کی خاطر ہم نے دُنیا جہاں کی مخالفتیں مُول لی ہیں؟ اگر ایسا ہے تو پھر واقعی ہمیں دُنیا کی کسی طاقت کی پرواہ نہیں لیکن اگر یہ چیز نہیں ملی تو خواہ دُنیا کہے یا نہ کہے ہم مر چکے اور ہمارا دل ہی ہماری حالت پر نوحہ کناں ہوگا۔ پس پورا زور لگاؤ کہ وہ چیز ہمیں حاصل ہو جائے جس کی خاطر ہم یہ سب تکلیفیں اُٹھا رہے ہیں۔ لیکن وہ چیز کیا ہے؟ وہ چیز ہے ایمان باِللہ جسے قرآن مجید نے مومنوں کے سامنے ایک بہترین تحفہ کے طور پر پیش کیا ہے۔ اگر ایمان باِللہ مل جائے اور اگر اس کے سارے پہلو اُسی طرح محفوظ ہوں جس طرح قرآن مجید کہتا ہے تو پھر سمجھ لو کہ تم نے سب کچھ پالیا۔'' (الفضل ۳؍جنوری ۱۹۵۲ء لاہور)

حضور نے تقریر کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا:-

چشمۂ ہدایت

''اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے وَالْعَصْرِۙ۝۲ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍۙ۝۳ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ۬ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۝۴ [1] یعنی دنیا پر نظر کر کے اور تاریخ عالَم پر غور کر کے تمہیں دکھائی دے سکتا ہے کہ ہر طرف گھاٹا ہی گھاٹا اور تباہی ہی تباہی اور جھگڑے ہی جھگڑے پائے جاتے ہیں۔صرف ایک ہی چیز ہے جو اِن تمام بداثرات سے پاک نظر آ سکتی ہے اور وہ مومن انسان ہے جو عمل صالح کرتا ہے اور تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ کرتا ہے اور تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ کرتا ہے۔گویا یہ چار چیزیں ایسی ہیں جو ساری دنیا کے فسادات کا علاج ہیں۔جن میں سے پہلی اور سب سے اہم چیز ایمان ہے۔یہ سیدھی بات ہے کہ اگر ایمانِ کامل کسی کو نصیب ہو جائے تو پھر دنیا کی مشکلات اور دنیا کی تکالیف اس کی نگاہ میں بالکل بے حقیقت ہو جاتی ہیں۔ احادیث میں ایک واقعہ بیان ہوا ہے جس سے پتہ لگتا ہے کہ ایمان کی کیا کیفیت ہوتی ہے اور جب وہ کسی شخص کو سچے طور پر حاصل ہو جائے تو اُس کی نگاہ میں دنیا کتنی بے حقیقت ہو جاتی ہے۔

احد کی جنگ میں ایک واقعہ ایسا پیش آیا جس کے نتیجہ میں لوگوں میں یہ مشہور ہو گیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں۔تمام مدینہ میں کُہرام مچ گیا اور عورتیں اور بچے بلبلاتے اور چیختے ہوئے میدانِ جنگ کی طرف دَوڑ پڑے۔شہر سے نکلنے والی عورتوں میں ایک سترّ سالہ بڑھیا بھی تھی اس کی بینائی بہت کمزور ہو چکی تھی اور اسے نہایت قریب سے ہی کوئی چیز نظر آتی تھی دُور کی چیز کو وہ نہیں دیکھ سکتی تھی زیادہ تر دوسرے کو آواز سے پہچانتی تھی۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اُس وقت میدانِ جنگ سے بخیریت واپس تشریف لا رہے تھے اور آپ کی خاص طور پر حفاظت کرنے کے لئے ایک انصاری صحابیؓ آپ کے ساتھ ساتھ چلے آ رہے تھے اور وہ اِس فخر میں آپ کے اونٹ کی نکیل پکڑے ہوئے تھے کہ ہم خدا کے رسول کو میدانِ جنگ سے زندہ سلامت لے آئے ہیں۔ان کے دوسرے بھائی اِسی جنگ میں شہید ہو چکے تھے۔جب مدینہ سے عورتوں اور بچوں کا ایک

ریلا روتا اور بلبلاتا ہوا نکل رہا تھا تو اِس صحابیؓ نے دیکھا کہ ان کی ستّر سالہ بڑھیا ماں بھی بے تابی کے ساتھ چلی آ رہی ہے۔ اس نابینا بڑھیا کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ اُسے رستہ نظر نہیں آتا تھا اور وہ پریشانی کے عالم میں اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ جب اس صحابیؓ نے اپنی ماں کو دیکھا تو انہوں نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! میری ماں!، یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! میری ماں! مطلب یہ تھا کہ اس کا جوان بیٹا بڑھاپے کی عمر اور کمزوری میں مارا گیا ہے آپ اس کی طرف توجہ فرمائیں تا کہ اس کے دل کو تسکین حاصل ہو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اِس بات کو سمجھ گئے۔ وہ بڑھیا قریب آئی تو آپ نے فرمایا میری اونٹنی کو کھڑا کرو۔ پھر آپؐ نے اس عورت کو مخاطب کیا اور فرمایا اے خاتون! مَیں تمہارے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے تمہارے بیٹے کو شہادت کا رُتبہ دیا وہ تمھیں صبر دے اور تمہارے اِس غم کو دُور کرے۔ نظر کی کمزوری کی وجہ سے وہ عورت اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی کہ یہ آواز مجھے کہاں سے آ رہی ہے؟ وہ تو یہی سمجھتی تھی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید ہو گئے ہیں اور آواز تھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی۔ دیکھتے دیکھتے آپ کے چہرہ پر اس کی نظر پڑ گئی اور اس نے دیکھ لیا کہ آپ ہی ہیں اور آپ ہی بول رہے ہیں۔ اِس پر تِنک کر جیسے عورت خفگی میں بولتی ہے کہنے لگی یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! آپ بھی کیسی باتیں کرتے ہیں۔ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! میرے بیٹے کا یہاں کیا ذکر ہے سوال تو آپ کی زندگی کا تھا سو آپ خیریت سے آ گئے بیٹے مرتے پھریں ان کا کیا سوال ہے۔[۲]

تو حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم کو خدا مل جائے اور اگر ہر قسم کے خطرات کو مُول لینے کے بعد خدا کا دامن ہمارے ہاتھ میں آ جائے تو ہم تو یہی کہیں گے کہ قوم کیا ہوتی ہے قومیں رہیں یا جائیں خدا ہمارا مددگار رہے۔ پس ہمیں ایمان کی فکر کرنی چاہئے اور سوچنا چاہئے کہ آیا ہم جو کچھ کر رہے ہیں وہ خدا کے منشاء کے مطابق ہے یا وہ اُس معیار تک پہنچتا ہے جس معیار تک پہنچنے کے بعد انسان ہر قسم کے روحانی خطرات سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

پہلی چیز ایمان ہے۔ دوسری چیز عملِ صالح ہے۔ تیسری چیز وصیت بِالحق۔ اور چوتھی چیز وصیت بِالصبر ہے۔ اِن میں سے پہلی چیز کو لیتا ہوں یعنی ایمان۔ ہم مُنہ سے کہہ دیتے

ہیں کہ ایمان۔ایمان۔یا ایمان کا کیا ہے۔ اللہ کا فضل ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ہمیں ایمان نصیب ہے لیکن ہم کبھی یہ نہیں سمجھتے کہ ایمان ہوتا کیا ہے۔آیا ایمان صرف پانچ حرفوں کے جمع ہونے کا نام ہے؟ آخر ہر چیز کی کوئی حقیقت ہوتی ہے،خربوزہ کی کوئی حقیقت ہے،آم کی کوئی حقیقت ہوتی ہے، ہم کپڑے کا لفظ بولتے ہیں تو اس کی بھی کوئی حقیقت ہوتی ہے۔ کپڑا کھدّر بھی ہے، کپڑا کمخواب بھی ہے، کپڑا زربفت بھی ہے۔

پس ہمیں سوچنا چاہئے کہ آخر یہ جو لفظ ایمان ہے اس کا کیا مفہوم ہے؟ ہم سمجھتے ہیں کہ جب ہمارے دماغ میں کوئی عقیدہ راسخ ہوگیا اور ہم نے سمجھ لیا کہ فلاں چیز سچی ہے اور ہم نے مُنہ سے کہہ دیا کہ یہ چیز سچی ہے تو گویا ہم کو ایمان نصیب ہو گیا حالانکہ اسلام یہ معنے نہیں کرتا۔ایمان کا لفظ امن سے نکلا ہے اور امن تو آپ لوگ جانتے ہی ہیں روزانہ بحث ہوتی ہے کہ دُنیا میں امن ہونا چاہئے ، امن ہونا چاہئے گو ساتھ ہی یہ بحث بھی ہوتی ہے کہ جہاں احمدی جلسہ ہو اُس میں سر پھٹول ہونی چاہئے اور ان کے جلسہ کو برخاست کر دینا چاہئے۔ بہرحال ایمان کے معنے ہیں امن دینا۔سو اَب ایمان کے معنے خالی عقیدہ کے مان لینے کے نہ ہوئے ایمان تو اُس چیز کو کہیں گے کہ کسی عقیدہ کو ایسا مان لینا جو امن دے دے۔اگر اس کے ساتھ اسے امن مل گیا ہے تو وہ ایمان ہے اور اگر امن نہیں تو نام ہے ایمان نہیں۔اب ایک امن تو وہ ہے جو ہمارے دیکھنے میں نہیں آتا مثلاً لوگ کہتے ہیں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ہم دوزخ سے بچ جائیں گے اور جنت میں چلے جائیں گے۔سو دوزخ کو کس نے دیکھا اور جنت کو کس نے دیکھا۔ ہندو بھی یہی کہتا ہے کہ میں دوزخ سے بچ گیا اور جنت میں چلا گیا۔کُتّا،سُور، بلی بن گئے تو دوزخ ہوگئی،آدمی بن گئے تو جنت ہوگئی۔ پس وہ بھی یہی کہتا ہے ، بدھ بھی یہی کہتا ہے کہ بُرے اعمال ہوں گے تو جُونیں بھگتوں گا۔بُرے اعمال نہ ہوئے تو نہیں بھگتوں گا۔عیسائی بھی یہی کہتا ہے کہ جس کے بُرے اعمال ہوں گے وہ ہمیشہ ہمیش کی دوزخ میں جائے گا اور آگ اور پتھر اور گندھک اور کیا کیا بلاؤں میں وہ جلایا جائے گا اور اگر عیسائیت پر پکا ہوا ایمان ہوا اور مسیح پر پختہ ایمان ہوا تو اگلے جہان میں نہایت ہی خوشحال قلب کے ساتھ رہے گا تو کیا فرق ہے ہمارے

ایمان کا لفظ کہنے میں اور ان کے ایمان کے کہنے میں، وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ ہمیں ایمان حاصل ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اگر کوئی ایسی چیز بھی ہو جس کو ہم دیکھ سکیں تو ہم اس سے ایمان کی حقیقت پہچانیں گے۔ اگلے جہان کی جو جنت ہے وہ عقل سے پہچانی نہیں جاسکتی اور نہ رؤیت میں آتی ہے صرف عقیدہ پر اس کی بنیاد ہے۔ قرآن کہتا ہے تو ہم مانتے ہیں، انجیل کہتی ہے تو عیسائی مانتے ہیں، ویداور اپنشد کہتے ہیں تو ہندو مانتے ہیں، بدھ مذہب کی کتابیں کہتی ہیں تو بدھ مانتے ہیں، زرتشتی کتابیں کہتی ہیں تو وہ مانتے ہیں۔ نہ کسی نے دیکھا نہ کوئی عقلی دلیل ایسی ہے جس کے ذریعہ اس کے وجود کو سامنے لاسکیں۔ اب اگر کوئی ایسی دلیل ہم کو مل جائے جسے دوسرے کے سامنے ہم ثابت کرسکیں اور کہہ سکیں کہ لو یہ معیار ہے اور اسے ماننا پڑے کہ یہ ٹھیک ہے تو پھر بے شک ہم کہیں گے کہ چونکہ ایمان کے پہچاننے کی دلیل صرف ہمارے پاس ہے تمہارے پاس نہیں اِس لئے ایمان صرف ہمارے پاس ہی ہے۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایمان کی کیا تعریف کی ہے اس طرح آہستہ آہستہ اس کے معنے ہم پر کُھلتے جائیں گے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایمان کا چھوٹے سے چھوٹا مزہ جو انسان کو حاصل ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ مَنْ كَانَ اَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ اَحَبُّ اِلَيْهِ مِنْ اَنْ يَّرْجِعَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ اَنْ اَنْقَذَهُ اللّٰهُ [۳] یعنی ایمان لانے کے بعد اگر اُس کو آگ میں ڈال کر جلا دیا جائے تو وہ اِس کو نہایت ہی پسند کرے گا بہ نسبت اِس کے کہ وہ اپنے اس عقیدہ کو چھوڑ دے اور کُفر کی طرف لوٹ جائے بعد اِس کے کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کو کفر سے بچالیا ہے۔

ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ پُرانے زمانہ کی اُمتوں میں سے جن کو ایمان نصیب ہوتا تھا لوگ اُن کے سروں پر آرے رکھ کر اُنہیں چِیر دیتے تھے اور وہ کٹ کر دوٹکڑے ہو جاتے تھے لیکن اپنی بات پر قائم رہتے تھے [۴] صحابہؓ میں اِس کی نظیریں بڑی کثرت سے پائی جاتی ہیں۔ حضرت بلالؓ کو بھُوکا رکھا جاتا تھا، چوبیس گھنٹے ان کی خوراک کو بند رکھتے۔ اِس کے بعد ان کو تپتی ہوئی ریت پر لٹاتے، بڑا سا گرم پتھر اُن کے سینہ پر رکھتے اور پھر ایک

آدمی اُن کے سینہ پر چڑھ جاتا اور کُودتا۔ پھر کہتے تھے کہو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جھوٹے ہیں اور خدا تعالیٰ کے اَور بھی شریک ہیں۔ یہ لات منات اور عُزّیٰ جو ہیں یہ سب خدا کے شریک ہیں۔ زبان اُن کی اٹک جاتی تھی، گلا اُن کا خشک ہو جاتا تھا۔ حبشیوں کے مُنہ سے یوں بھی ش نہیں نکلتا۔ جس وقت ان کو بہت پیٹتے تو وہ کہتے تھے اَسْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ اور جب بالکل ہی بے دم ہو جاتے تو وہ فرماتے اَحَدٌ اَحَدٌ یعنی خدا ایک ہی ہے۔[۵]

غرض اس کا نمونہ مسلمانوں میں موجود ہے کہ کس کس طرح اُنہیں تکلیفیں دی گئیں مگر پھر بھی وہ اپنے عقیدہ پر قائم رہے۔ اِس کے مقابلہ میں وہ بھی مسلمان کہلانے والے لوگ ہوتے ہیں جو معمولی لالچ کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتے۔

حضرت خلیفہ اوّل سُنایا کرتے تھے کہ کوئی مولوی صاحب میرے دوست تھے اور مجھے ان پر بڑی حُسنِ ظنی تھی، بظاہر بڑے نیک اور نمازی نظر آتے تھے ایک دن کسی نے مجھے آ کر کہا کہ آپ فلاں مولوی صاحب کی بڑی قدر کرتے ہیں۔ وہ بڑا ذلیل قسم کا آدمی ہے میں نے کہا نہیں بڑا اچھا آدمی ہے کہنے لگا فلاں لڑکی جو شادی شدہ تھی اُس کی اس نے دوسری جگہ شادی کر دی ہے۔ میں نے کہا تم الزام لگاتے ہو ایک دو دن کے بعد مولوی صاحب جو مجھے ملنے کے لئے آئے تو میں نے کہا مولوی صاحب! میں تو نہیں مانتا لیکن کسی شخص نے یہ بات بتائی ہے اور میرا فرض ہے کہ آپ کو وہ بات پہنچا دوں اُس نے کہا ہے کہ آپ نے ایک شادی شُدہ عورت کا دوسری جگہ پر نکاح پڑھ دیا ہے۔ کہنے لگا شادی شدہ عورت کا دوسری جگہ پر نکاح۔ مولوی صاحب! آدمی کو چاہئے کہ پہلے تحقیقات کرے اور پھر دیکھے کہ کیا بات ہے یونہی کسی پر الزام نہیں لگانا چاہئے۔ میں نے کہا یہی تو میری غرض تھی اور میں خوش ہو گیا کہ معلوم ہوتا ہے بات جھوٹی ہے اور یہی میرا مطلب تھا لیکن اس کے بعد کہنے لگا مولوی صاحب! یہ بتایئے ''نمبر دار نے چڑی جِڈّا روپیہ جے کڈھ کے میرے سامنے رکھ دیّا تے میں کی کردا''۔

آپ فرماتے تھے میں نے سمجھا تھا کہ خبر نہیں مارا ہوگا، پیٹا ہوگا، گھر سے نکال دیا ہوگا اَور کیا کیا زمینداروں نے ظلم کیا ہوگا۔ آخر کہلوا لیا ہوگا مولوی تھا ڈر گیا۔ مگر ظلم کیا

نکلا؟ مجبوری کیا نکلی؟ مجبوری یہ نکلی کہ ''چڑی جِڈّا روپیہ کڈھ کے اَگّے رکھ دتا تے میں کی کردا'' یہ آجکل کے مسلمانوں کی حالت ہے۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ آرے سے تم کو چِیر دیا جائے، آگ میں تم کو جلا دیا جائے مگر تمہارے دل میں جو یقین اور وثوق پیدا ہو چُکا ہو وہ نہ نکلے اور تم اپنی بات پر قائم رہو اور یہ بھی ادنیٰ درجہ کا ایمان ہے۔ اس کے اوپر ایمان بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اب ہم ایمان کے سمجھنے میں ایک قدم قریب ہو گئے لیکن یہ بھی بات ہے کہ ہر شخص کو آرے سے تو چِیرا نہیں جاتا، ہر شخص کو تو آگ میں نہیں ڈالا جاتا، ہر شخص کو تو پہاڑ سے گِرایا نہیں جاتا۔ جس کو گرائیں گے اُس کو تو پتہ لگ جائے گا کہ ایمان اسے نصیب ہے یا نہیں ہمیں کس طرح پتہ لگے گا؟ اُس کو تو پتہ لگ گیا کہ ایمان کی کیا طاقت ہے ہمیں کس طرح پتہ لگے گا؟ یہ معیار اگر مل جائے تو پھر بے شک ہم مطمئن ہو جاتے ہیں کہ ہمیں ایمان حاصل ہے۔

اِس کے پہچاننے کے لئے ہم کو یہ مسئلہ یوں سمجھنا چاہئے کہ ایمان کے معنے بیان کرتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ایمان اُس عقیدہ کا نام ہے جو غیر متزلزل ہو یعنی وہ کسی صورت میں بھی متزلزل نہ ہو سکے۔ اب ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہدایت لے کر خدائی قانون کی طرف جاتے ہیں کہ غیر متزلزل کونسی چیز ہؤا کرتی ہے یا دوسرے لفظوں میں یوں کہو کہ کسی چیز کو عام حالات میں کیا بات متزلزل کر دیا کرتی ہے؟ یُوں تو ایک پاگل ہوتا ہے وہ ہر بات کے متعلق قیاس کر لیتا ہے سوال یہ ہے کہ ایک انسان جو معمولی عقل کا انسان ہے اور مشترک عقل اُس میں پائی جاتی ہے وہ کیوں متذبذب ہؤا کرتا ہے؟

اگر تم غور کرو گے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ تین چیزیں ہیں جن کی وجہ سے انسان متزلزل ہؤا کرتا ہے۔ ایک متزلزل کرنے والی چیز ہوتی ہے عقیدہ اور نقل۔ ایک شخص کو یقین ہے کہ قرآن سچا ہے اُس کو اگر آ کر کوئی کہے کہ قرآن میں یہ لکھا ہؤا ہے تو چاہے اس کا کوئی عقیدہ ہو اگر وہ قرآن کو سچا سمجھتا ہوگا تو فوراً کہہ دے گا کہ میری غلطی ہے قطع نظر اِس کے کہ وہ بات ٹھیک ہے یا نہیں یہ جانے دو۔ لیکن جس کو کسی چیز پر عقیدت ہو جس کو نقل کہتے

ہیں یعنی حوالہ کہ تمہارے مذہب میں یا فلاں کتاب میں یوں لکھا ہؤا ہے اُس کی وجہ سے انسان اپنے عقیدہ پر پکّا ہوتا ہے۔ جب اس سے ہٹا دو کہ یُوں نہیں تو وہ ہِل جاتا ہے۔

میں نے پہلے بھی کئی دفعہ سُنایا ہے کہ مولوی نظام الدین صاحب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک پُرانے دوست ہؤا کرتے تھے۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے بھی وہ دوست تھے۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعویٰ مسیحیت کیا اور انہوں نے مخالفت کی اور کفر کے فتوے لگائے تو مولوی نظام الدین صاحب اُس وقت حج کے لئے گئے ہوئے تھے، اُنہیں حج کا بڑا شوق تھا، ۱۲ حج اُنہوں نے کئے تھے، جب حج سے واپس آئے اور انہوں نے سُنا کہ اس طرح جھگڑا ہو گیا ہے تو اُنہیں بڑا افسوس ہؤا اور قادیان پہنچے۔ حضرت صاحب بیٹھے تھے کہنے لگے میں نے حج سے واپس آکر کچھ باتیں سُنی ہیں حضرت مسیح موعود علیہ اسلام نے فرمایا آپ نے کیا سُنا ہے؟ انہوں نے کہا میں نے سُنا ہے آپ کہتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں آپ نے فرمایا میاں صاحب! بات تو ٹھیک ہے۔ وہ کہنے لگے قرآن میں تو اِس کے خلاف لکھا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ اسلام نے فرمایا اگر قرآن میں اس کے خلاف لکھا ہوتا تو ہم فوراً چھوڑ دیتے۔ یہی تو سوال ہے ہم کہتے ہیں قرآن میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں اور وہ کہتے ہیں نہیں لکھا۔ وہ کہنے لگے قرآن میں تو بیسیوں آیتیں ہیں۔ آپ نے فرمایا بیسیوں نہیں آپ ایک ہی لے آیئے۔ انہوں نے تو اپنے مولویوں سے سُنا ہؤا تھا کہ قرآن میں لکھا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں، وہ تھے اَن پڑھ مگر دیندار بہت تھے کہنے لگے اچھا اگر میں سَو آیت لے آؤں تو کیا آپ مان جائیں گے؟ آپ نے فرمایا سَو کا سوال نہیں ایک ہی لے آئیں۔ اِس پر اُنہیں شُبہ پڑا کہ شاید سَو آیتیں نہ ہوں کہنے لگے اچھا اگر میں پچاس آیتیں لے آؤں تو کیا آپ مان جائیں گے؟ حضرت صاحب نے فرمایا میاں صاحب! ہم نے کہہ جو دیا ہے کہ ایک آیت ہی لے آئیں تو ہم اپنا عقیدہ چھوڑنے کے لئے تیار ہیں۔ اس سے پھر ان کو اَور شُبہ پڑا اور آخر دس پر آ گئے۔ چونکہ ہر روز وعظ سُنتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں اِس لئے انہوں نے

سمجھا کہ کم سے کم دس آیتیں تو ضرور ہوں گی اس سے کم تو نہیں ہو سکتیں۔ پھر کہنے لگے اچھا اقرار رہا مگر شرط یہ ہے کہ مولوی محمد حسین بٹالوی میرا بھی دوست ہے اور آپ کا بھی دوست ہے آپ جانتے ہیں اس کے دل میں بدظنی ہوگی وہ آپ کے اقرار کو یوں نہیں مانے گا۔ لاہور میں جامع مسجد میں جا کر اعلان کرنا پڑے گا کہ میری غلطی ہے۔ آپ نے فرمایا ضرور۔ اُن دِنوں حضرت خلیفہ اوّل جموں سے چھٹی لے کر لاہور آئے ہوئے تھے اور مولوی محمد حسین صاحب نے آپ سے بحث شروع کر دی تھی کہ میرے ساتھ وفاتِ مسیحؑ پر مباحثہ کر لو اور معیار کیا ہوگا حضرت خلیفہ اوّل فرماتے تھے قرآن اور وہ کہتے تھے حدیث۔ آخر بڑے جھگڑوں اور اشتہار بازیوں کے بعد اور پیغام رسانیوں کے بعد حضرت خلیفہ اوّل نے مان لیا کہ اچھا تم بخاری کو اَصَحُّ الْکُتُبِ بَعْدَ کِتَابِ اللّٰہِ کہتے ہو جو کچھ قرآن اور بخاری میں لکھا ہوگا وہ میں مان لوں گا۔ چینیاں والی مسجد میں مولوی محمد حسین صاحب بیٹھے ہوئے تھے اُن کے اِرد گرد اُن کے معتقد تھے اور وہ بڑے زور شور سے کہہ رہے تھے تعلّی کی اُن کو عادت تھی کہ دیکھو نورالدینؓ اتنا بڑا عالم بنا پھرتا ہے سارے ہندوستان میں مشہور ہے میں نے اُس کو یہ دلیل دی اور اُس نے وہ دلیل دی۔ اُس نے یوں کہا اور میں نے اُسے یوں کہا۔ اور میں نے اُسے یُوں پٹخنی دی اور آخر اُسے منوا لیا کہ حدیث بھی پیش ہو سکے گی۔ اِتنے میں بدقسمتی سے مولوی نظام الدین صاحب وہاں پہنچ گئے اور کہنے لگے مولوی صاحب ''چھڈّ و بھی تہانوں عادت ہے اینویں لمبے جھگڑے کرن دی''۔ میں مرزا صاحب کو منوا آیا ہوں آپ قرآن سے دس آیتیں لکھ دیں، میں ابھی مرزا صاحب کو شاہی مسجد میں لا کر سب کے سامنے ان سے توبہ کراؤں گا۔ اب عین موقع پر جو آ کر انہوں نے یہ کہا دوسرے موقع پر بات ہوتی تو شاید وہ برداشت بھی کر جاتے تعلّی تو اُن کی ساری یہی تھی کہ نورالدین قرآن کہتا تھا اور میں نے حدیث منوا لی۔ اِس موقع پر جو نظام الدین صاحب نے یہ بات کہی تو مولوی محمد حسین صاحب غصہ میں آ گئے اور کہنے لگے میں مہینہ بھر توں حدیث ول لیا رہیا، تُوں پھر قرآن وَل لے گیا ہاں''۔ میاں نظام الدین صاحب نیک آدمی تھے، جب اُنہوں نے یہ بات سُنی تو اُن پر سکتہ سا آ گیا اور بہت ہی افسردہ شکل

بنا کر مجلس سے اُٹھے اور کہنے لگے **''چنگا مولوی صاحب! جے ایہہ گل ہے تو پھر جدھر قرآن اُدھر میں''۔**

اور یہ کہہ کر وہ قادیان آئے اور اُنہوں نے بیعت کر لی۔ تو حقیقت یہ ہے کہ جب کسی شخص کو یقین ہوتا ہے نقل پر تو اُس کو اگر حوالہ دیا جائے تو وہ متزلزل ہو جاتا ہے۔

دوسری چیز متزلزل کرنے والی عقل ہوتی ہے۔ عقل کا مادہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان میں پیدا کیا ہے اور عقل سے انسان روزانہ فیصلے کرتا ہے۔ اگر کسی شخص کی سمجھ میں آجائے کہ عقل یوں کہتی ہے تو وہ بھی متزلزل ہو جاتا ہے۔

تیسری چیز انسان کو متزلزل کرنے والی جذباتِ صحیحہ ہوتے ہیں۔ بے شک عقل بھی کام دیتی ہے اور نقل بھی کام دیتی ہے۔ لیکن اگر فطرت کوئی بات کہتی ہو تو جس کو نہ قرآن کا پتہ ہو نہ حدیث کا پتہ ہو، پہاڑوں میں رہنے والا ہو وہ بھی کہہ دے گا کہ بات درست ہے۔ مثلاً بچے کی محبت یا بچہ کے لئے قربانی کیا کسی آیت کے تحت ہے یا حدیث کے ماتحت ہے؟ یہ محض فطرت کے ماتحت کی جاتی ہے۔ اگر کسی کے جذبات انگیخت میں آجائیں اور اسے کہا جائے کہ یہ فطرت کے خلاف ہے۔ کسی ماں کو کہا جائے کہ یہ بات تیرے ماں ہونے کے خلاف ہے۔ کسی باپ کو یہ کہا جائے کہ یہ تیرے باپ ہونے کی حیثیت کے خلاف ہے تو وہ فوراً پُرانے خیالات کو چھوڑ دے گا اور سمجھے گا کہ مَیں باپ ہوں جو چیز میرے باپ ہونے کے خلاف ہے اُس کو میں اختیار نہیں کر سکتا۔ تو تین چیزیں ہیں جن سے کوئی چیز متزلزل ہو سکتی ہے۔ نقل، عقل اور جذباتِ صحیحہ۔ جس چیز کی تائید میں نقل، عقل اور جذباتِ صحیحہ ہوں اُس میں تزلزل کبھی نہیں آ سکتا کیونکہ اِنہی تین چیزوں سے انسان بدلا جاتا ہے۔ اگر یہ تینوں چیزیں اس کی تائید میں ہو جائیں تو پھر اسے متزلزل کرنے والی اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔

اب ہمارے پاس دلیل آگئی جس سے بغیر آگ میں ڈالے جانے کے، بغیر آرے سے چیرے جانے کے ہم پتہ لگا سکتے ہیں کہ ہمارے اندر ایمان موجود ہے۔ اگر ہمارے عقیدے عقل کے مطابق ہیں، نقل کے مطابق ہیں، جذباتِ صحیحہ کے مطابق ہیں تو سیدھی

بات ہے کہ جب تک ہمارے ہوش قائم ہیں، جب تک ہم پاگل نہیں ہو جاتے ہم اُنہیں بھی نہیں چھوڑ سکتے۔ لالچ سے انسان چھوڑ سکتا ہے لیکن دل سے وہ کبھی الگ نہیں ہوسکتا۔ یہی ایمان کے پرکھنے کا ذریعہ ہے۔ اور وہی قوم ایماندار ہوسکتی ہے جس میں یہ تینوں باتیں پائی جائیں۔ یوں تو ہر قوم کہتی ہے کہ ہم ایماندار ہیں عیسائی بھی کہتے ہیں کہ ہم ایماندار ہیں اور ہندو بھی کہتے ہیں کہ ہم ایماندار ہیں، سکھ بھی کہتے ہیں کہ ہم ایماندار ہیں، زرتشی بھی کہتے ہیں کہ ہم ایماندار ہیں، مسلمانوں میں سے حنفی، شافعی، حنبلی سب کہتے ہیں کہ ہم ایماندار ہیں مگر سوال یہ ہے کہ جو کچھ ان کے عقیدے ہیں اگر وہ نقل، عقل اور جذباتِ صحیحہ کے مطابق ہیں تو پھر وہ غیر متزلزل ہیں کیونکہ ایمان کی تعریف میں شامل ہیں اور اگر ان کے عقیدے اور ان کے خیالات متزلزل ہو سکتے ہیں کسی جگہ عقل کے خلاف ہیں، کسی جگہ نقل کے خلاف ہیں، کسی جگہ جذباتِ صحیحہ کے خلاف ہیں تو سمجھ لو کہ چاہے وہ کتنا ہی یقین ظاہر کرتے ہوں قسمیں کھاتے ہوں، روتے ہوں، چلّاتے ہوں، جس دن بھی ان کے کان کھلے اور عقل اندر آئی، جس دن بھی ان کے کان کھلے اور نقل اندر آئی، جذباتِ صحیحہ اندر آئے اُسی دن اُن کا ایمان متزلزل ہو جائے گا۔ یہی وہ ایمان ہوتا ہے جس کے متعلق کہتے ہیں کہ

''کیا ایک چلّو پانی سے ایمان بہہ گیا''

چنانچہ دیکھو یہ ایک ایسا مسئلہ تھا کہ اِس کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں غیر لوگ بھی سمجھ گئے تھے۔ وہ ایمان نہیں لائے تھے مگر سمجھ گئے تھے۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہوں کو جو تبلیغی خط لکھے تو ایک خط ہرقل کے نام بھی تھا۔ جب اس کے پاس خط پہنچا تو اس نے کہا کہ عرب کا کوئی آدمی لاؤ جس سے میں پوچھوں کہ حقیقت کیا ہے؟ اتفاق کی بات ہے کہ ابوسفیان جو اُس وقت مکّہ کے سردار تھے اور اِسی طرح مکّہ کے چند اَور آدمی تجارت کے لئے وہاں گئے ہوئے تھے، سپاہی اُنہیں پکڑ کر لے آئے۔ اُس نے ابوسفیان کے پیچھے اس کے ساتھیوں کو کھڑا کر دیا اور کہا کہ میں اس سے چند سوال کرونگا اگر یہ سچ بولے تو چُپ رہنا اور اگر کسی بات میں اس نے جھوٹ بولا تو تم

پکڑ لینا چنانچہ ابوسفیان کھڑے ہو گئے۔

بعد میں جب وہ اسلام لائے تو اُنہوں نے بتایا کہ کئی جگہ میرا دل چاہتا تھا کہ میں جھوٹ بولوں لیکن پھر مَیں رُک جاتا تھا اِس خیال سے کہ میرے ساتھی ہی مجھے جھٹلا دیں گے۔ اُس نے جو سوال کئے اُن میں سے ایک یہ بھی تھا کہ **یَرْتَدُّ اَحَدٌ مِّنْھُمْ سُخْطَۃً لِدِیْنِہٖ** کہ کیا کوئی اس کے دین سے اِس طرح بھی مرتد ہوتا ہے کہ خود اس کے دین سے اُس کو نفرت ہو؟ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اُسے نفرت ہو جائے، صحابیوں سے نفرت ہو جائے، روپیہ پر جھگڑا ہو جائے، زمین پر جھگڑا ہو جائے اور وہ مرتد ہو جائے تو یہ اَور بات ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ جو عقیدہ یہ شخص پیش کرتا ہے۔ مثلاً کہتا ہے خدا ایک ہے تو کیا کوئی ایسا شخص بھی ہے جو مرتد ہونے کے بعد یہ کہنا شروع کر دے کہ مجھ پر اب ثابت ہو گیا ہے کہ خدا ایک نہیں دو ہیں کیا ایسا بھی کبھی ہوتا ہے؟ ابوسفیان نے کہا نہیں۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مرتد تو ہوئے ہیں۔ کئی مرتدین کا تاریخ میں ذکر آتا ہے لیکن دیکھو اُس نے یہ نہیں پوچھا کہ مرتد ہوتے ہیں یا نہیں؟ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ مرتد تو لوگ ہوتے ہی ہیں۔ شیطان خدا سے مرتد ہوا۔ پس مرتد ہونا کوئی بات نہیں **سُخْطَۃً لِدِیْنِہٖ** اِس کے عقیدہ کو غلط سمجھ کر الگ ہونا اصل چیز ہے۔ جب اُس نے کہا نہیں تو اُس نے کہا بس میں جانتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے نبیوں کی یہ علامت ہوا کرتی ہے۔ ان سے لڑائیاں بھی ہو سکتی ہیں، لالچوں کے مارے بھی لوگ اُن سے الگ ہو سکتے ہیں، لیکن وہ ایسی سچائی پیش کرتے ہیں کہ انسان اُس سچائی سے نفرت نہیں کر سکتا، جس نے ایک دفعہ مانا وہ جہاں جائے اُس عقیدہ کو وہ چھوڑ نہیں سکتا۔[6]

ہرقل کا یہ سوال بتاتا ہے کہ وہ جانتا تھا کہ سچے نبی کے ساتھ یہ تین چیزیں ہوتی ہیں۔ نقلِ صحیح، عقلِ صحیح اور جذباتِ صحیحہ۔ جب یہ تین چیزیں ہوں تو ایمان میں تزلزل نہیں آ سکتا اس لئے وہ جب بھی مرتد ہوگا عقیدہ سے نہیں ہوگا۔ یہی چیز ہے جس کو قرآن کریم میں بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتا ہے کہ ان کافروں سے کہو کیا تم نہیں دیکھتے کہ تم میں سے لوگ ہم میں آ رہے ہیں اور گو کوئی کوئی ہمارا بھی تم میں

چلا جاتا ہے لیکن تم یہ تو سوچو کہ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ؕ کے فرق یہ ہے کہ کوئی شخص میرے عقیدہ کو جھوٹا سمجھ کر تم میں نہیں جاتا۔ لالچ سے جاتا ہے، ڈر سے جاتا ہے، مصیبتوں سے خوف کھا کر جاتا ہے، قوم کی خوشنودی کے لئے جاتا ہے۔ اور جو میرے پاس آتا ہے وہ کسی لالچ سے نہیں آتا، کسی فریب سے نہیں آتا بلکہ میرے عقیدہ کو سچا سمجھ کر میرے پاس آتا ہے یہ فرق ہے جو پایا جاتا ہے۔

اب دیکھو یہ کتنا سیدھا سادہ اور واضح اصول مقرر ہو گیا۔ ہم ایک عیسائی کے سامنے بھی اسے ثابت کر سکتے ہیں، ایک ہندو کے سامنے بھی اُسے ثابت کر سکتے ہیں۔ ایک یہودی کے سامنے بھی اسے ثابت کر سکتے ہیں آخر کوئی بتائے کہ عقلِ صحیح اور نقلِ صحیح اور جذباتِ صحیحہ کے سوا اور کونسی چیز ہے جو انسان کو متزلزل کرنے والی ہے اور یہ چیزیں جس کی تائید میں ہوں کیا اس کو کوئی متزلزل کر سکتا ہے؟ یہی حال اب دیکھو کہ کوئی شخص احمدیت سے اس کے عقیدہ کی وجہ سے مرتد نہیں ہوتا، کوئی شخص تم نے نہیں دیکھا ہو گا جو یہ کہے کہ میری سمجھ میں آ گیا کہ انسان مرا نہیں کرتے لیکن تم سارے کے سارے اس لئے احمدی ہو کہ تم کہتے ہو سب لوگ مرا کرتے ہیں۔ اِسی طرح ہمیں کوئی شخص ایسا نظر نہیں آتا جو احمدیت سے مرتد ہوا ہو اور اس نے یہ کہنا شروع کر دیا ہو کہ حضرت صاحب نے کہہ دیا تھا کہ قرآن میں کوئی آیت منسوخ نہیں یہ کتنا ظلم تھا میں تو قرآن میں بیسیوں آیتیں منسوخ دکھا سکتا ہوں۔ یُوں بیسیوں احمدی ایسے نکل آئیں گے جو کہیں گے کہ میرا مقدمہ تھا خلیفہ صاحب نے غلط فیصلہ کر دیا، میری جائیداد لُوٹ لی، میری فلاں رقم کھا لی یا میری بیوی کو خلع دلا دیا اور پھر وہ چلا جاتا ہے سَو دفعہ چلا جائے مگر وہ اس لئے نہیں جائے گا کہ اب مجھے پتہ لگ گیا ہے کہ قرآن میں کچھ آیتیں منسوخ بھی ہیں۔ یا ہم کہتے ہیں قرآن میں ترتیب ہے اور وہ کہنا شروع کر دے کہ قرآن بے ترتیب ہے۔ تو سُخْطَةً لِدِيْنِهٖ کوئی شخص احمدیت سے مرتد نہیں ہوتا لیکن سُخْطَةً لِدِيْنِهٖ تم سارے کے سارے غیر احمدیت سے آئے ہو، تم سارے غیر احمدیت سے اس لئے آئے ہو کہ تمہیں وہ عقائد عقل کے خلاف نظر آئے، نقل کے خلاف نظر آئے، جذباتِ صحیحہ کے خلاف نظر آئے۔ بہت کم تعداد میں

ہمارے ہاں مرتد ہوئے ہیں لیکن ان سب مرتدوں میں سے ہم نے کسی کو بھی نہیں دیکھا جس نے احمدیت کے عقائد کو ترک کر دیا ہو۔ ہم نے دیکھا ہے بیسیوں سال کے مرتد بھی ملیں اور اُن سے پوچھا جائے کہ وفاتِ مسیح ؑ کے متعلق کیا خیال ہے؟ تو وہ کہتے ہیں وہ تو مرزا صاحب نے سچ ہی کہا ہے عیسیٰ ؑ تو مرا ہی ہوا ہے۔

غرض میں تمہیں بتاتا ہوں کہ تمہارے لئے حصولِ ایمان کے مواقع موجود ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ تم میں سے ہر شخص کے اندر ایمان موجود ہے، میں یہ بھی نہیں کہتا کہ تم میں سے ہر شخص کے اندر ایمان موجود ہونا ضروری ہے۔ میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ تمہارے لئے ایسے مواقع ضرور موجود ہیں کہ بغیر اِس کے کہ تم کو تلوار سے کاٹا جائے، بغیر اِس کے کہ تم کو آگ میں ڈالا جائے، بغیر اِس کے کہ تم کو پہاڑ سے گرایا جائے تم کہہ سکتے ہو کہ ہم میں ایمان موجود ہے۔ تم اپنے عقیدوں کو نمبر وار لکھ لو اور پھر دیکھو کہ عقل اُن کی تائید کرتی ہے یا نہیں؟ نقل اُن کی تائید کرتی ہے یا نہیں؟ جذباتِ صحیحہ اُن کی تائید کرتے ہیں یا نہیں؟ تم زبان پر میٹھا رکھو تو تمہاری زبان چاہے دس کروڑ بادشاہ تم کو کہے کہ کہو یہ چیز کڑوی ہے وہ کبھی اُسے کڑوا نہیں کہے گی، لیکن لالچ میں آجاؤ تو پانچ روپے لے کر کونین کے متعلق بھی تم کہہ سکتے ہو کہ وہ کڑوی نہیں۔ پس لالچ اور چیز ہے ورنہ جس شخص کے ساتھ یہ تینوں باتیں مل جائیں گی وہ یقین اور وثوق کے ساتھ آپ ہی آپ فیصلہ کر سکتا ہے۔ جوانی میں فیصلہ کر سکتا ہے، بچپن میں فیصلہ کر سکتا ہے کہ میں اس مقام پر اب کھڑا ہو گیا ہوں کہ اب میرے لئے ایسے مواقع موجود ہیں کہ میرے ایمان کو کوئی اور ورغلا نہیں سکتا۔ نہ بادشاہتیں مجھے ہلا سکتی ہیں، نہ حکومتیں ہلا سکتی ہیں نہ کوئی اَور طاقت ہلا سکتی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے احمدیت کے جو اصول دنیا کے سامنے پیش فرمائے ہیں وہ اگرچہ بہت سے ہیں مگر میں اِس وقت صرف دس موٹے موٹے اُصول پیش کرتا ہوں جن سے پتہ لگ سکتا ہے کہ اس وقت حقیقی ایمان ہمارے پاس ہے یا ہمارے غیر کے پاس۔ آپ نے بتایا کہ:-

۱- تمام انسان جو اَب تک پیدا ہوئے اپنا کام ختم کر کے فوت ہو چکے ہیں، خواہ وہ بڑے

ہوں خواہ چھوٹے، خواہ روحانی بزرگ ہوں یا مادی۔

۲- رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اِن معنوں میں خاتم النبیین تھے کہ تمام سابقہ نبیوں کی نبوت آپ کی تصدیق کے بغیر ثابت نہیں ہوسکتی اور آئندہ آنے والے مأمورین بھی آپ کی مُہر سے ہی کسی درجہ کو پہنچ سکتے ہیں۔ محض آخری ہونا کوئی فخر کی بات نہیں۔

۳- اسلام کا روحانی غلبہ تمام دنیا پر ہوگا۔

۴- الہامِ الٰہی کا دروازہ قیامت تک کھلا ہے۔

۵- قرآن کریم ایک زندہ نا قابلِ منسوخ اور ایک غیر محدود مطالب والی کتاب ہے۔

۶- خدا تعالیٰ ہمیشہ اپنی قدرتوں کے ذریعہ سے اپنے آپ کو ظاہر کرتا رہتا ہے۔

۷- مذہب کی بنیاد اخلاق پر ہے۔

۸- قانونِ شریعت اور قانونِ قدرت کا متشارک اور متشابہہ ہونا ضروری ہے۔

۹- اسلام کے تمام احکام حکمت پر مبنی ہیں اور اِسی وجہ سے قرآن کریم کے مطالب میں ترتیب پائی جاتی ہے۔

۱۰- خدا تعالیٰ ہمیشہ ایسے آدمی پیدا کرتا ہے جو تزکیۂ نفس کریں۔

اب ہم نمبروار ایک ایک عقیدہ کو لیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہ عقائد جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیش فرمائے آیا نقل ان کی تائید کرتی ہے، عقل ان کی تائید کرتی ہے یا جذباتِ صحیحہ ان کی تائید کرتے ہیں؟ اگر یہ تینوں چیزیں ان عقائد کو درست تسلیم کرتی ہوں تو یہ لازمی بات ہے کہ وہی عقائد آخر دنیا میں قائم ہوں گے اور ہر وہ شخص جو مذہب پر ایمان رکھتا ہوگا، ہر وہ شخص جس کے دماغ میں عقل کا مادہ ہوگا اور ہر وہ شخص جس کی فطرت میں جذباتِ صحیحہ پائے جاتے ہوں گے وہ ان عقائد کو تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکے گا۔

پہلی چیز جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیش فرمائی وہ یہ ہے کہ ہر انسان خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، خواہ نبی ہو یا غیر نبی اپنا وقت ختم کر کے اور اُس طبعی عمر کو پا کر جو سنت اللہ میں پائی جاتی ہے آخر فوت ہو جاتا ہے۔ یہ عقیدہ ہے جو حضرت مسیح موعود

علیہ السلام نے پیش فرمایا لیکن غیر احمدی علماء سُنی کیا اور شیعہ کیا اور حنفی کیا اور شافعی کیا اور حنبلی کیا اور مالکی کیا سب یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اب تک آسمان پر زندہ موجود ہیں وہ فوت نہیں ہوئے اور یہ کہ آخری زمانہ میں وہی دوبارہ دنیا میں آئیں گے اور اُمتِ محمدیہ کی اصلاح کریں گے۔

اب اِس مسئلہ میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ آیا نقل اِن کی تائید کرتی ہے؟ پہلی چیز قرآن مجید ہے قرآن کریم سے وہ صرف یہ آیت پیش کرتے ہیں کہ **وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ**[۸] اور وہ اس سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں حالانکہ ایک بچہ بھی ان کے اس استدلال کو سُن کر ہنس پڑے گا۔ مثلاً وہی لوگ جو اِس آیت کو پیش کرتے ہیں ان سے پوچھا جائے کہ کیا آپ کے پردادا کو قتل کیا گیا تھا یا اُن کو صلیب دیا گیا تھا؟ اور جب وہ کہیں نہیں تو پوچھا جائے کہ پھر کیا وہ زندہ ہیں؟ تو وہ کہیں گے نہیں وہ تو فوت ہو گئے۔ یہ کونسی دلیل ہے کہ جسے قتل نہ کیا جائے یا صلیب پر نہ لٹکایا جائے تو وہ زندہ ہوتا ہے سب ہنس پڑیں گے کہ کیسا بیوقوفی کا سوال ہے۔ وہ اگر قتل نہیں ہوئے یا صلیب نہیں دیئے گئے تو زندہ کس طرح ہو گئے۔ مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہی الفاظ آ گئے تو لوگوں نے نتیجہ نکال لیا کہ چونکہ وہ قتل نہیں ہوئے اور چونکہ وہ صلیب نہیں دیئے گئے اِس لئے ثابت ہؤا کہ وہ زندہ ہیں۔ گویا جسے نہ قتل کیا جائے نہ صلیب دیا جائے وہ زندہ ہوتا ہے۔ ان لوگوں کی مثال بالکل ویسی ہی ہے، جیسے کہتے ہیں کہ کسی شخص کو بگولے نے اڑایا اور ایک باغ میں لاکر گرا دیا۔ اتفاقاً وہاں انگور کی کچھ بیلیں تھیں۔ اُس کے اِدھر اُدھر ہاتھ مارنے سے بہت سے انگور گرے اور جمع ہو گئے اُسے لالچ آئی اور اُس نے ٹوکرا بھرا اور سر پر رکھ کر گھر کی طرف چل پڑا۔ راستہ میں مالک نے دیکھ لیا او اُس نے پوچھا کہ یہ انگور کہاں لئے جا رہے ہو؟ کہنے لگا پہلے ساری بات سُن لو پھر خفا ہونا۔ بات یہ ہے کہ مجھے بگولے نے اُڑا کر تمہارے باغ میں پہنچا دیا۔ جہاں گرا وہاں انگور کی بیلیں تھیں، ہاتھ اِدھر اُدھر مارے تو انگور گر کر پاس ہی ٹوکرا پڑا ہؤا تھا سب اس میں جمع ہو گئے اب فرمایئے اِس میں میرا کیا قصور ہے؟ اُس نے کہا اتنا تو درست ہے لیکن

تمہیں یہ کس نے کہا تھا کہ انگور کا ٹوکرا اُٹھا کر سر پر رکھ کر گھر کی طرف چل پڑو؟ کہنے لگا بس یہی میں بھی سوچتا چلا آرہا تھا کہ یہ بات کیا ہوئی۔ یہی حال اِن کا ہے کہ مسیحؑ کو قتل نہیں کیا گیا، مسیحؑ کو صلیب نہیں دیا گیا اِس سے ثابت ہؤا کہ مسیحؑ آسمان پر اُٹھالیا گیا ہے اور اب وہ سوچ رہے ہیں کہ یہ بات کیا ہوئی؟ کیا جسے قتل نہ کیا جائے یا جسے صلیب نہ دیا جائے وہ آسمان پر چلا جاتا ہے۔ اِس کے مقابلہ میں ہم بیسیوں آیات پیش کرتے ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں۔ پھر صحابہؓ کا اجماع بھی اِسی پر ہؤا کہ تمام رسول فوت ہو چکے ہیں اور یہ پہلا اجماع تھا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر ہؤا۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو جاتے تو حضرت عمرؓ کی تو جان ہی نکل جاتی۔ غرض نقلی طور پر کوئی چیز بھی نہیں جو ہمیں اس عقیدہ سے متزلزل کر سکے۔

باقی رہی عقل۔ سو عقلی طور پر دلیلِ استقرائی ہمارے حق میں ہے ہم دیکھتے ہیں کہ جو بھی پیدا ہوتا ہے وہ مرتا ہے۔ اِستثناء یہ لوگ بتاتے ہیں کہ عیسیٰؑ پیدا ہؤا اور وہ مرا نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آم کے درخت کو ہمیشہ آم ہی لگیں گے لیکن یہ لوگ ہم سے یہ منوانا چاہتے ہیں کہ اِستثنائی طور پر کیکر کو بھی آم لگ جاتا ہے ہم کہیں گے عقل اِس کو نہیں مانتی۔ عقل یہی کہتی ہے کہ کیکر کو آم نہیں لگ سکتا ہمیشہ آم کے درخت کو ہی آم لگے گا۔ اِسی طرح جو شخص بھی پیدا ہؤا وہ مرا اور جو شخص بھی پیدا ہوگا وہ مرے گا۔ پھر عیسیٰ کا استثناء کیسا؟ ابھی ہمارے اخبار میں ایک مضمون چھپا ہے کسی غیر احمدی نے نظم کہتے ہوئے ایک شعر کہہ دیا کہ:-

جناب موسیٰ عیسیٰ کے بعد دنیا سے
ہوئے رسولِ معظّم بھی سوئے خلد رحیل

اب شعر سے صاف ثابت ہوتا تھا کہ موسیٰؑ عیسیٰؑ سب فوت ہو چکے ہیں، لیکن جب اُس سے کہا گیا کہ دیکھو تم نے خود اقرار کر لیا ہے کہ عیسیٰؑ فوت ہو چُکا ہے تو اب اِس ڈر سے کہ لوگ مجھے کیا کہیں گے اُس نے یہ لکھنا شروع کر دیا کہ اس کے یہ معنے تھوڑے ہی ہیں کہ عیسیٰؑ فوت ہو چُکا ہے یہ تو اپنی طرف سے معنے کر لئے گئے ہیں۔ اب بات کیا ہے؟ بات یہ

ہے کہ سچی بات مُنہ سے نکل جایا کرتی ہے۔ کہتے ہیں کہیں چوری ہوگئی مگر پولیس کو چور کا پتہ نہیں لگتا تھا۔ جس نے چوری کی تھی وہ کوئی نیا نیا چور بنا تھا۔ اُسے خوف پیدا ہوا کہ کہیں میں پکڑا نہ جاؤں وہ پولیس کے ساتھ ساتھ رہنے لگا اور جب اُنہوں نے تفتیش شروع کی تو وہ اپنی عقلمندی جتانے کے لئے جتانے لگا کہ معلوم ہوتا ہے پہلے چور یہاں آیا پھر آگے بڑھا پھر اندر داخل ہوا اور آخر اُس نے اسباب اُٹھا کر گٹھڑی میں باندھ لیا، اِس کے بعد وہ دیوار پھاند کر نکلنے لگا تو گٹھڑی اور مَیں باہر۔ پولیس والوں نے جھٹ اُسے گرفتار کر لیا اور کہا کہ اب آپ بھی باہر نہیں رہ سکتے۔ تو بات یہ ہے کہ دماغ میں تو یہی گھسا ہوا ہے کہ ہر شخص مرتا ہے اور عقل اِسی کی تائید کرتی ہے چنانچہ جہاں بے ساختہ شعر کہنا پڑے وہاں اُن کی زبان سے یہی نکل جاتا ہے کہ موسیٰؑ کہاں اور عیسیٰؑ کہاں سب فوت ہو چکے ہیں۔

جذباتِ صحیحہ کو لے لو تو کوئی مسلمان بھی یہ برداشت نہیں کرے گا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو فوت ہو جائیں اور حضرت عیسیٰؑ کو سنبھال کر رکھ لیا جائے۔ آخر تم کونسی چیز سنبھال کر رکھا کرتے ہو اچھی چیز یا بُری چیز؟ ہمیشہ اچھی چیز سنبھال کر رکھی جاتی ہے، مثلاً گھر میں کباب پکتے ہیں تو ایک دو شامی کباب تم سنبھال کر رکھ لیتے ہو کہ بچہ صبح ناشتہ کرلے گا۔ لیکن کبھی ایسا نہیں ہوا کہ دال خراب ہوگئی اور تم نے اُسے سنبھال کر رکھ لیا ہو کہ صبح بچے کو کھلائیں گے یا اچھا کوٹ تو تم سنبھال کر نہ رکھو اور پھٹا ہوا کوٹ سنبھال لو کہ اگلے سال عید کے موقع پر پہنیں گے۔ اگر خدا نے کسی نبی کو سنبھال کر ہی رکھنا تھا تو تم میں تو عقل ہے کہ تم شامی کباب سنبھال کر رکھو، سڑی ہوئی دال نہ رکھو لیکن خدا نے سنبھالنا چاہا تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ سنبھالا عیسیٰؑ کو سنبھالا۔

دوسری چیز مسئلہ نبوت ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیّین ہونے کے یہ معنے بیان فرمائے ہیں کہ آپ اپنے درجہ اور روحانی کمالات میں تمام انبیائے سابقین سے افضل واعلیٰ ہیں اور کسی نبی کی نبوت بھی آپ کی تصدیق کے بغیر ثابت نہیں ہوسکتی آپ تصدیق کرتے ہیں تو اُس کو نبی تسلیم کیا جاتا ہے اگر آپ تسلیم نہ کریں اور آپ کی مُہر تصدیق اُس کی نبوت پر نہ لگے تو وہ کبھی نبی تسلیم

نہیں کیا جا سکتا۔ اب دیکھ لو جہاں تک نقل کا سوال ہے سارا قرآن اِس مضمون کی تصدیق کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم وضاحتاً بتاتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے نازل ہونے والی کُتب کی تصدیق کرتے ہیں یعنی جب تک آپ کی تصدیق نہ ہو اور جب تک آپ کی طرف سے اعلان نہ ہو کہ فلاں کتاب خدائی تھی اور فلاں نبی خدا تعالیٰ کی طرف سے تھا اُس وقت تک نہ اُس کتاب کا منجانبِ اللہ ہونا تسلیم کیا جا سکتا ہے اور نہ اُس نبی کی نبوت تسلیم کی جا سکتی ہے۔ عقلاً دیکھ لو کہ کیا کوئی نبی بھی دنیا میں ایسا پایا جاتا ہے جس کے حالات کو پڑھ کر ہم خود یہ فیصلہ کر سکیں کہ فلاں شخص نبی تھا۔ ہم اگر کسی کو نبی تسلیم کرتے ہیں تو محض اِس لئے کہ قرآن نے کہا کہ وہ نبی تھا۔ یا قرآن نے ہمیں نبیوں کی شناخت کے اُصول بتائے ہیں کہ فلاں فلاں اُمور کا نبیوں میں پایا جانا ضروری ہے ورنہ اُن کے حالات جو بیان کئے جاتے ہیں اُن کو اگر مدنظر رکھا جائے تو پھر تو کسی نبی کی نبوت کو بھی تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً مسیح کو ہی لے لیا جائے۔ انجیل میں لکھا ہے کہ حضرت مسیح لوگوں کے جِنّ بھُوت نکالتے تھے، اور پھر سؤروں کے گلوں پر اُن کو ڈال دیتے تھے اور وہ جھیل میں ڈوب کر مر جاتے تھے۔ انجیل کہتی ہے کہ شیطان حضرت مسیحؑ کے پاس آیا اور وہ اُنہیں ایک پہاڑی پر لے گیا اور کہا کہ تُو مجھے سجدہ کرے تو میں ساری دنیا کی دولت اور ساری دنیا کے خزانے تجھے دے دوں گا۔ انجیل کہتی ہے کہ حضرت مسیح اُن مجالس میں شریک ہؤا کرتے تھے، جن میں شراب پی پی کر لوگ مدہوش ہو جاتے تھے بلکہ ایک مجلس میں شراب ختم ہو گئی تو اُنہوں نے کھڑے ہو کر یہ معجزہ دکھایا کہ جن مٹکوں میں پانی بھرا ہؤا تھا وہ سب کے سب شراب سے بھر گئے۔ ہمارے شاعر تو صرف تفنّنِ طبع کے لئے یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ ساقیا ہمیں اور پِلا مگر انجیل کے بیان کے مطابق تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام معجزے دکھا دکھا کر شرابیں پِلایا کرتے تھے۔ اِسی طرح اور بیسیوں باتیں ہیں جو انجیل میں درج ہیں اِن باتوں کے دیکھتے ہوئے کیا کوئی عقل مان سکتی ہے کہ اِس قسم کے انسان کو خدا رسیدہ کہا جا سکے۔ صاف پتہ لگتا ہے کہ وہ نعوذ باللہ کوئی ہتھکنڈے باز آدمی تھا۔ گلّا ڈر کے بھاگا تو کہہ دیا میرے پاس جِنّ بھُوت تھے جو میں نے ان پر ڈال دیئے تھے۔ شراب میں

مدہوش لوگوں کو پانی پلا دیا اور کہہ دیا کہ یہ پانی نہیں تھا شراب تھی۔ مگر جس وقت ہم قرآن کو دیکھتے ہیں، جس وقت ہم قرآن کی پاکیزگی اور اس کی طہارت کو دیکھتے ہیں اور پھر قرآن کو ہی یہ کہتے ہوئے سُنتے ہیں کہ عیسیٰؑ خدا تعالیٰ کا رسول تھا تو ہم سر جھکا دیتے ہیں اور کہتے ہیں یہ عیسیٰ جو قرآن نے پیش کیا ہے وہ اَور ہے اور وہ عیسیٰؑ جو انجیل پیش کرتی ہے وہ اَور ہے۔ قرآن کا عیسیٰؑ نبی ہے انجیل کا عیسیٰؑ نبی نہیں۔ گویا ہماری مثال ویسی ہی ہوتی ہے جیسے کہتے ہیں کہ پنجابی شاعر پر کسی شخص نے جس کا نام محمد تھا، سخت ظلم کئے۔ وہ کہنے لگا بہت اچھا تم ظلم کر لو میں بھی شعر کہہ کر تمہاری خوب خبر لوں گا۔ اُس نے کہا تم نے شعر کہے تو میں تم پر کفر کا فتویٰ لگوا دونگا کیونکہ میرا نام محمد ہے۔ مگر وہ بھی ہوشیار تھا اُس نے نظم کہی اور اس کی خوب خبر لی مگر دو چار شعروں کے بعد وہ یہ شعر ضرور لکھ دیتا ہے کہ:-

جس دا اسیں کلمہ پڑھ دے
اوہ محمد ہور ہے ایہہ محمد چور ہے

یہی ہماری حالت ہے۔ انجیل والے عیسیٰؑ کا ذکر آئے تو ہم کہتے ہیں دفع بھی کرو وہ کوئی آدمی تھا! لیکن قرآن کے مسیحؑ کا ذکر آئے تو ہم کہتے ہیں ٹھیک ہے یہ عیسیٰؑ خدا کا نبی تھا کیونکہ اِس کی نبوت پر محمد رسول اللہ کی مُہر لگ گئی۔ اب خواہ ساری دنیا حضرت مسیحؑ کی بُرائیاں کرے، ساری دنیا ان کی طرف عیوب منسوب کرے ہم کہیں گے سب جھوٹ ہے عیسیٰؑ سچ مچ خدا کا نبی تھا۔

اِسی طرح موسیٰؑ کے حالات جو تورات میں بیان ہوئے ہیں وہ ایسے تکلیف دہ ہیں کہ کوئی شخص اُن حالات کو دیکھ کر اُنہیں نبی نہیں کہہ سکتا۔ یہی حال حضرت داؤد کا ہے۔ قرآن کے حالات پڑھ کر یوں معلوم ہوتا ہے کہ داؤد ایک فرشتہ تھا۔ مگر بائیبل میں جو حالات لکھے ہیں اُن کو پڑھ کر تو شرم آجاتی ہے کہ کیا یہ شخص خدا کا نبی کہلا سکتا ہے؟ بائبل بتاتی ہے کہ داؤد کو فتح حاصل ہوئی تو اِس خوشی میں وہ ننگے ہو کر لشکر کے آگے آگے ناچنے اور کُودنے لگے اور اِسی حالت میں وہ شہر میں داخل ہوئے بادشاہ کی بیٹی سے اُن کی شادی ہو چکی تھی وہ اپنے جھروکے میں بیٹھی لشکر کی واپسی کا انتظار کر رہی تھی۔ اُس نے جو دیکھا

کہ داؤد لشکر کے آگے ناچتے کُودتے چلے آرہے ہیں تو اسے اتنی شرم آئی کہ اُن کے گھر میں داخل ہوتے ہی اُس نے کہا کہ آج آپ نے بڑی قابلِ شرم حرکت کی ہے۔لیکن اِدھر ہم قرآن والا داؤد دیکھتے ہیں تو چونکہ اِس کی نبوت پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مُہر لگ گئی اِس لئے داؤد کا ناچنا اور تھرکنا اور کُودنا اور اِن کا ننگا ہونا سب ہماری نگاہ سے غائب ہو جاتا ہے اور ہم کہتے ہیں تم جھوٹ کہتے ہو داؤد خدا کا نبی تھا۔

اِسی طرح نوحؑ اور لوط کے واقعات پڑھ کر دیکھ لو، بائیبل بتاتی ہے کہ وہ شراب پی کر ننگے ہوئے اور اُنہوں نے اپنی بیٹیوں سے زنا کیا۔اگر قرآن کی تصدیق ہمیں نظر نہ آتی، اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مُہر ان نبیوں کی نبوت پر نہ لگتی تو ہم کہتے یہ سب جھوٹے انسان تھے لیکن اب ہم نہیں کہہ سکتے۔اب ہم کہتے ہیں کہ یہ لوگ خدا کے مقدس اور راستباز انسان تھے اور جو کچھ کہنے والے ان کے متعلق کہتے ہیں وہ سب غلط اور بیہودہ باتیں ہیں۔

اِسی طرح حضرت کرشن اور رام چندر کو لے لو۔قران نے یہ اصول بتایا کہ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ [9] اِس اصول کے مطابق ہم سمجھتے ہیں کہ ہندوستان میں بھی نبی آئے اور کرشنؑ اور رام چندرؑ دونوں نبی تھے۔مگر اُن کے حالات جو ہندو تاریخ بتاتی ہے وہ اتنے گھناؤنے ہیں کہ کوئی سلیمُ الفطرت انسان اُن واقعات کی بناء پر اِن لوگوں کے تقدس کا قائل نہیں رہ سکتا۔سیتا کے ساتھ جو ظلم کیا گیا اور اسے سالہا سال تک جس طرح جنگل میں نکال دیا گیا وہ ایسے واقعات ہیں جو طبیعت پر سخت گراں گزرتے ہیں۔لیکن جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مُہر اِن پر لگ جاتی ہے تو سارے واقعات ایک ایک کر کے ہماری نگاہ میں بے حقیقت ہو جاتے ہیں اور ہم کہتے ہیں کہ یہ سب مخالفین کی افتراء پردازیوں کا نتیجہ ہے ورنہ وہ لوگ نبی تھے، خدا تعالیٰ کے راستباز اور مقدس انسان تھے۔

اب دیکھو یہ معنے جو خاتم النّبیّین کے ہم کرتے ہیں یہ ایسے ہیں جن کی بناء پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی یہ ثابت کیا جا سکتا تھا کہ آپؐ خاتم النّبیّین ہیں۔آپ کی زندگی میں بھی مسلمان کہہ سکتے تھے کہ یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النّبیّین ہونے کا

ہی نتیجہ ہے کہ نوحؑ اور لوطؑ اور داؤدؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ وغیرہ کو ہم نبی تسلیم کرتے ہیں ورنہ اُن کی اپنی کتابوں کے واقعات اُن کی نبوت کے خلاف ہیں۔ مگر جن معنوں میں غیر احمدی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النّبیّین قرار دیتے ہیں اُن معنوں میں تو قیامت کے دن تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النّبیّین ہونا ثابت ہی نہیں ہوسکتا کیونکہ کسی کو کیا پتہ کہ کل کوئی نبی آ جائے۔ یہ تو محض ایک خیال ہے کہ کوئی نبی نہیں آ سکتا۔ کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ تمہیں کیا پتہ کہ کوئی آئے گا یا نہیں ممکن ہے کہ کل ہی کوئی نبی آ جائے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النّبیّین نہ رہیں۔ پس یہ معنے ایسے نہیں جن کو دنیا پر ثابت کیا جا سکے۔ اِن معنوں کے لحاظ سے تو جب کوئی شخص مرنے لگے اُس وقت بھی وہ یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ ولیہ وسلم خاتم النّبیّین ہیں کیونکہ وہ کہہ سکتا ہے کہ ممکن ہے میرے مرنے کے بعد ہی کوئی نبی دنیا میں آ جائے۔ غرض جب تک صُورِ اسرافیل نہ پھُونکا جائے یہ معنے دنیا پر ثابت نہیں کئے جا سکتے کیونکہ قیامت کے دن تک ہر شخص کو یہ شُبہ ہے کہ ممکن ہے کوئی نبی آ جائے اور یہ معنے غلط ہو جائیں۔ پس غیر احمدی جو خاتم النّبیّین کے معنے کرتے ہیں ان کے رو سے قیامت کے آنے سے پہلے آپ کا خاتم النّبیّین ہونا ثابت نہیں ہوسکتا لیکن ہمارے معنوں کے رو سے محمد رسول اللہ صلی اللہ وعلیہ وسلم اُس دن بھی خاتم النّبیّین تھے جس دن آپ نے دعویٰ فرمایا کیونکہ اُس دن بھی بائیبل موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور داؤدؑ اور دوسرے نبیوں کے وہی حالات پیش کرتی تھی جو آج پیش کرتی ہے لیکن جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اِن نبیوں پر مُہر لگ گئی، جب آپ نے ان کی نبوت کی تصدیق فرما دی تو ہم اِن واقعات کو بھی پڑھتے ہیں مگر ہم پورے یقین اور وثوق کے ساتھ کہتے ہیں کہ یہ سب باتیں غلط ہیں۔ یہ لوگ یقیناً نبی تھے، یقیناً راست باز اور مقدس انسان تھے۔

اب دیکھو کتنا زمین وآسمان کا فرق ہے جو ہمارے معنوں میں اور انکے معنوں میں پایا جاتا ہے۔ ایک معنوں کے رُو سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوت اُسی دن ثابت تھی جس دن آپ نے خاتم النّبیّین ہونے کا دعویٰ فرمایا، اور ایک معنوں کے رُو سے

قیامت کا دن آنے سے پہلے پہلے آپ خاتم النّبیین ثابت نہیں ہو سکتے جب تک اسرافیل اپنا صُور نہ پھُونکے۔ جب تک عزرائیل دنیا سے آخری آدمی کی بھی جان نہ نکال لے اُس وقت تک یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔ لیکن اگر تمام انسان ختم ہو جائیں، ہر انسان موت کا شکار ہو جائے، دنیا پر ایک متنفس بھی باقی نہ رہے اور اُس وقت تک کوئی نبی نہ آئے تو پھر بے شک کہا جا سکے گا کہ دیکھ لو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب تک کوئی نبی نہیں آیا۔ لیکن ہمیں تو آج بھی پتہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النّبیین ہیں۔ ہمارے تو آباؤ اجداد کو بھی یقین تھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النّبیین ہیں بلکہ آج سے تیرہ سَو سال پہلے صحابہؓ کو بھی یقین تھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النّبیین ہیں کیونکہ ہمارے بزرگ اِس بات پر ایمان رکھتے تھے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کے بغیر نہ عیسیٰ کی نبوت ثابت ہوسکتی ہے نہ موسیٰؑ کی نبوت ثابت ہوسکتی ہے نہ کسی اور نبی کی نبوت ثابت ہوسکتی ہے۔

پھر اِن کے علماء نے خود اِن کے خلاف لکھا ہے چنانچہ مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی نے اپنی کتاب تحذیر الناس میں صاف طور پر لکھا ہے کہ بھلا یہ کوئی عقل کی بات ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ کہا جائے کہ چونکہ وہ سب سے آخر میں آئے ہیں اِس لئے سب سے بڑے نبی ہیں؟ آخر میں آنا بھی کوئی بڑائی کی بات ہوتی ہے؟ یہ عقل کے خلاف ہے۔ اب آیت کو دیکھ لو تو وہ بھی صاف طور پر ہمارے معنوں کی ہی تائید کرتی ہے۔ قرآن کریم میں یہ آیت اِس طرح آتی ہے کہ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ [10] کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور خاتم النّبیین ہیں۔ اب اگر وہ معنے کرو جو غیر احمدی کرتے ہیں تو اِس کے معنے یہ بنتے ہیں کہ جو شخص کسی کا باپ نہ ہو وہ رسولُ اللہ ہوتا ہے اور جو رسولُ اللہ ہو وہ خاتم النّبیین ہوتا ہے۔

جس طرح وہ لطیفہ تھا کہ چونکہ مسیحؑ قتل نہیں ہوئے اور صلیب نہیں دیئے گئے اِس لئے معلوم ہوا کہ چوتھے آسمان پر چلے گئے۔ اِسی طرح یہ لطیفہ ہے کیونکہ فقرہ یہ ہے کہ محمد رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن آگے مضمون یہ بیان کیا جاتا ہے کہ چونکہ وہ مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں اِس لئے وہ رسول اللہ ہیں اور چونکہ وہ رسولُ اللہ ہیں اِس لئے خاتم النّبیین ہیں۔ گویا معنے یہ بنے کہ جو کسی کا باپ نہ ہو وہ رسولُ اللہ ہوتا ہے اور جو رسول اللہ ہو وہ خاتم النّبیین ہوتا ہے۔ کیا اِن میں کوئی بھی جوڑ اور مطابقت ہے؟ یا کوئی بھی مطلب ہے جو اِن معنوں کو تسلیم کرنے سے نکل سکتا ہے؟

بے شک بعض جاہل لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس لئے اولاد نہیں ہوئی کہ آپ آخری رسول تھے۔ چونکہ نبی کی اولاد بہرحال نبی ہؤا کرتی ہے اور رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی نے نہیں آنا تھا اِس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو کوئی زندہ رہنے والی اولاد نہیں دی۔ لیکن واقعات کا علم رکھنے والے لوگ جانتے ہیں کہ یہ بات غلط ہے۔ نبی کی اولاد کا نبی ہونا ضروری نہیں۔ چنانچہ نوحؑ کی اولاد ہوئی مگر وہ نبی نہیں ہوئی۔ اِسی طرح قرآن کریم میں اشارتاً اور بائیبل میں وضاحتاً ذکر آتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک بیٹا ہؤا جو ناخلف تھا۔ پس یہ غلط ہے کہ نبی کی اولاد ضرور نبی بنتی ہے اور یہ بھی غلط ہے کہ جس کی اولاد نہ ہو وہ رسولُ اللہ ہوتا ہے اور جو رسولُ اللہ ہو وہ خاتم النّبیین ہوتا ہے۔ پس جو معنے غیر احمدی بیان کرتے ہیں وہ عقل کے بھی خلاف ہیں کیونکہ محض آخری ہونا عقلاً کوئی بڑائی کی علامت نہیں ہؤا کرتی اور پھر نقل کے بھی مطابق نہیں کیونکہ اگر قرآن کریم کی اس آیت کا وہ مفہوم لیا جائے تو آیت بالکل بے معنی بن جاتی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خاتم النّبیین کا مفہوم بیان کرتے ہوئے دنیا کو بتایا کہ خاتم النّبیین ایک نہایت ہی بلند اور ارفع واعلیٰ مقام ہے جو نبوت ورسالت سے بالا ہے اور اِس کے معنے یہ ہیں کہ اب جو بھی فیضانِ الٰہی آئے گا وہ آپؐ کے توسّط سے آئے گا اور وہی شخص اللہ تعالیٰ کے قُرب کو حاصل کر سکے گا جس پر اس خاتم النّبیین کی مُہر ہوگی۔ گویا الٰہی دربار میں رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت ایسی ہی ہے جیسے ایک رجسٹرار کی ہوتی ہے، بغیر آپ کے واسطہ کے اور بغیر آپ کی تصدیق اور آپ کی مُہر کے

الٰہی دربار میں کسی کو مقبولیت حاصل نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ پچھلے نبی بھی آپؐ کی تصدیق کے ساتھ ہی نبی ثابت ہوتے ہیں اور آئندہ بھی آپ کے فیضان سے ہی اللہ تعالیٰ کے قُرب کے مدارج حاصل ہؤا کریں گے۔ اِسی مقام کی وضاحت ایک دوسرے مقام پر ان الفاظ میں کی گئی تھی کہ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝ اے محمد! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیرا دُشمن لَا وَلَد رہے گا اور تیرے بیٹے ہوں گے۔ یہ دعویٰ ہے جو اللہ تعالےٰ نے تمام دنیا کے سامنے پیش کیا تھا اور بتایا تھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے اولاد نہیں رہیں گے بلکہ ان کا دُشمن بے اولاد رہے گا۔ اب جب خدا نے یہ کہا کہ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ تو دُشمن کو اعتراض کا موقع مل سکتا تھا کہ دیکھا کہتے تھے کہ میری اولاد ہوگی اور دُشمن کی نہیں ہوگی مگر اب آپ ہی مان لیا کہ میں بے اولاد ہوں گا۔ اللہ تعالیٰ اس کا جواب یہ دیتا ہے کہ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں تو اس سے ان کا چھوٹا ہوتا ثابت نہیں ہوسکتا کیونکہ تم نے جو اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ کے معنے سمجھے تھے وہ غلط تھے۔ باوجود اس کے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نرینہ اولاد نہیں ہوگی۔ پھر بھی سورہ کوثر میں جو بتایا گیا تھا کہ اس کے دُشمن ابتر رہیں گے وہ بالکل درست ہے، کس طرح؟ اُنہوں نے یہ سمجھا تھا کہ اس جگہ جسمانی اولاد مراد ہے حالانکہ ہماری مراد یہاں جسمانی اولاد نہیں بلکہ روحانی اولاد تھی۔ ہمارا منشاء یہ تھا کہ آج دُشمن اپنی اکثریت کے گھمنڈ میں اکڑ رہا ہے لیکن ایک دن آنے والا ہے جبکہ وہ بے اولاد ہو جائے گا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اولاد والے ہو جائیں گے یعنی ان دُشمنوں کی اولادیں اپنے ماں باپ کو چھوڑ چھوڑ کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں شامل ہوتی چلی جائیں گی اور اِس طرح دُشمن گھٹتے جائیں گے اور آپ بڑھتے جائیں گے۔ یہ مفہوم تھا جو سورۃ کوثر کی آیت کا تھا۔ اب یہ سیدھی بات ہے کہ جس کی جماعت دنیا میں قائم ہو جائے گی، جو ساری دنیا پر غالب آجائے گا، جس کے دُشمن مٹ جائیں گے، جو اپنے مقاصد میں کامیاب ہو جائے گا وہ یقیناً رسولُ اللہ ہوگا۔ یہ نہیں

کہ کسی کا بیٹا نہ ہو اور اُس کے متعلق کہا جائے کہ وہ رسولُ اللہ بن گیا۔

آگے فرماتا ہے وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ خالی یہی نہیں کہ یہ اللہ کا رسول ہے بلکہ رسولوں کی مُہر ہے۔ تم اِس کو جھوٹا سمجھتے ہو اور خیال کرتے ہو کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پیشگوئی کی تھی کہ میرا دُشمن ابتر رہے گا۔ وہ غلط نکلی۔ ہم تمہیں بتاتے ہیں کہ وہ پیشگوئی پوری ہوگی اور اِس کی اولاد دنیا میں ہمیشہ کے لئے قائم رکھی جائے گی۔ یعنی اِس کا فیضان کبھی ختم نہ ہوگا اور قیامت تک اِسی کی برکت سے اور اِسی کی غلامی میں وہ لوگ کھڑے ہوں گے جو اِس کے لائے ہوئے دین کی دنیا میں اشاعت کریں گے اور اس کے نام کو کونہ کونہ میں پھیلائیں گے۔

اب دیکھو یہ معنے جو ہم کرتے ہیں یہ نقلی طور پر بھی صحیح ہیں اور عقلی طور پر بھی صحیح ہیں اور جذباتی طور پر بھی صحیح ہیں کیونکہ جذباتِ صحیحہ کسی کی یہ بڑائی تسلیم نہیں کر سکتے کہ وہ اس لئے بڑا ہے کہ سب کے آخر میں آیا۔ وہ بادشاہ جو کسی خاندان یا قوم کا آخری بادشاہ ہو اور اس کے بعد اس خاندان اور قوم میں سے بادشاہت مٹ جائے اُسے کوئی بھی بڑا نہیں کہا کرتا۔ غرض ہمارا عقیدہ وہ ہے جس کی نقل بھی تائید کرتی ہے جس کی عقل بھی تائید کرتی ہے اور جس کی جذباتِ صحیحہ بھی تائید کرتے ہیں لیکن غیر احمدیوں کے معنے نقل کے لحاظ سے بھی باطل ہیں اور عقل کے لحاظ سے بھی باطل ہیں اور جذبات صحیحہ کے لحاظ سے بھی باطل ہیں، پس جو شخص بھی اس عقیدہ کو سمجھ کر مانے گا وہ کبھی بھی اِس عقیدہ کو نہیں چھوڑ سکتا۔ اور جو بھی تم میں سے غور کرے وہ خود فیصلہ کر سکتا ہے کہ ختمِ نبوت کے کون سے معنے ہیں جن سے نقل تسلی پاتی ہے، کون سے معنے ہیں جن سے عقل تسلی پاتی ہے اور کون سے معنے ہیں جن سے جذباتِ صحیحہ تسلی پاتے ہیں۔ میں یقیناً کہتا ہوں کہ اِس عقیدہ کو سمجھ لینے کے بعد ایک آرا کیا اگر دس ہزار آرا بھی کسی کے سر پر رکھ دیا جائے تو وہ کہے گا کہ بات تو یہی ٹھیک ہے تمہارا دل جتنا چاہے مجھے مارلو میں اِس عقیدہ کو نہیں چھوڑ سکتا۔

تیسرا اصل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ پیش فرمایا کہ اسلام کا روحانی غلبہ تمام دنیا پر ہوگا۔ یہ اصل بھی نہایت اہم ہے اور مسلمان بغیر اِس مطمحِ نظر کے دنیا میں

کبھی بھی حقیقی سر بلندی حاصل نہیں کر سکتے۔ یہ عجیب بات ہے کہ مسلمان پہلے تو اس اصل کو کسی نہ کسی شکل میں تسلیم کرتا تھا مگر اب ہماری مخالفت میں اُس نے اس اصل کو بھی چھوڑ دیا ہے۔ پہلے کہتا تھا کہ مسیح اور مہدی دنیا میں آئیں گے تو سب کفار کو مسلمان بنا لیں گے اور گو وہ کہتا یہی تھا کہ تلوار کے زور سے مسلمان بنائیں گے مگر یہ سیدھی بات ہے کہ جب مسیح اور مہدی نے آنا تھا تو کچھ نہ کچھ اس کے ذریعہ روحانیت نے بھی غلبہ پانا تھا مگر اب جُوں جُوں ہماری تبلیغ وسیع ہوتی جارہی ہے اور جُوں جُوں وہ مسیح اور مہدی کی آمد سے مایوس ہوتا جارہا ہے تعلیم یافتہ طبقہ نے یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ قرآن کے ہوتے ہوئے کسی عیسیٰ اور مہدی کی ضرورت ہی کیا ہے۔ گویا تھوڑا بہت جو وہ سچائی کے قریب تھے وہ بھی ختم ہو گیا۔ اب دنیا میں صرف ہماری ہی جماعت ہے جو اِس مسئلہ کو پیش کرتی ہے کہ اسلام روحانی طور پر ساری دنیا پر غالب آئے گا۔ مسلمان اِس بات کو ردّ کرتا ہے اور وہ کہتا ہے ہمیں اِس روحانی غلبہ کی ضرورت نہیں ہم چاہتے ہیں کہ سیاسی طور پر ایران آزاد ہو جائے، شام آزاد ہو جائے، فلسطین آزاد ہو جائے، لبنان آزاد ہو جائے، سعودی عرب آزاد ہو جائے، مصر سے انگریزی فوجیں نکل جائیں، پاکستان کی حکومت مضبوط ہو جائے، سوڈان کو آزادی حاصل ہو جائے۔ اگر یہ ممالک سیاسی رنگ میں مکمل آزادی حاصل کر لیں تو مسلمان سمجھتے ہیں کہ وہ کامیاب ہو گئے۔ مگر میں پوچھتا ہوں اگر یہ ساری باتیں ہم کو حاصل ہو جائیں، اگر پاکستان ایک مضبوط اسلامی مُلک بن جائے اور تھوڑی بہت اِس کی طاقت میں جو کمی ہے وہ دُور ہو جائے، اگر ایران کے تیل کے چشموں کا سوال حل ہو جائے اور پھر اس کی مالی حیثیت بھی اتنی مضبوط ہو جائے کہ اس کا خزانہ ہر قسم کا مالی بوجھ اُٹھانے کے لئے تیار ہو جائے، اگر سعودی عرب بھی آزاد ہو جائے اور اس کے تیل کے چشمے اُسی کے قبضہ میں آجائیں اور وہ موجودہ آمد سے دس بیس گُنا آمد اِسے دینے لگیں، اگر مصر میں سے بھی انگریزی فوجیں نکل جائیں، اگر شام کے جھگڑے بھی ختم ہو جائیں اور آئے دن جو وہاں قتل کی وارداتیں ہوتی رہتی ہیں اور کبھی کوئی کمانڈر اِنچیف مارا جاتا ہے اور کبھی کوئی وزیر یہ سب باتیں ختم ہو جائیں، اگر پاکستان میں اندرونی طور پر جو جھگڑے پائے

جاتے ہیں وہ بھی ختم ہو جائیں اور دُشمنوں کی سازشیں اور ریشہ دوانیاں جاتی رہیں تب بھی تم غور کر کے دیکھ لو کہ اِس موجودہ دنیا کے نقشہ پر روس اور امریکہ اور انگلینڈ اور فرانس کو مدنظر رکھتے ہوئے کیا اِن ممالک کی آزادی اور ان کی طاقت ہمارے لئے کوئی بھی فخر کی چیز ہوگی؟ یہ ساری حکومتیں آزاد بھی ہو جائیں تو دنیا کی پالیٹکس میں اِن کی کیا حیثیت ہوسکتی ہے۔ روس اور امریکہ اور انگلینڈ اور فرانس کے مقابلہ میں ان کا کیا درجہ تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ اگر ایک بادشاہ کے گھر کے پاس کسی غریب آدمی کا مکان ہو اور فرض کر لو کہ اس کے پاس کسی وقت لاکھ دولاکھ روپیہ بھی آجائے تب بھی بادشاہ کے مقابلہ میں اس کی کیا حیثیت تسلیم کی جاسکتی ہے۔ جس دن اُس کا روپیہ ختم ہو جائے گا اُسی دن اس کی ساری حیثیت جاتی رہے گی اور وہ پھر دنیا میں ایک بے حقیقت چیز بن کر رہ جائیگا۔ پس سوال یہ ہے کہ اگر وہ سب کچھ ہو جائے جو مسلمان چاہتے ہیں تب بھی دنیا میں مسلمان کی کیا حیثیت ہوگی؟ کیا اِس کا پھیلاؤ، کیا اِس کا روپیہ، کیا اِس کی فوج، کیا اِس کی تعداد اور کیا اِس کی طاقت اِس قابل سمجھی جاسکتی ہے کہ دنیا کی پالیٹکس پر کوئی غیر معمولی اثر پیدا کر سکے؟ اگر نہیں تو بتاؤ اِس مطمحِ نظر سے اسلام کو کیا فائدہ؟ اور مسلمان نوجوانوں کے اندر اس مطمحِ نظر سے وہ کونسا انقلاب پیدا ہوسکتا ہے کہ ہر مسلمان کا دل اُچھلنے لگے کہ میں بھی اس مطمحِ نظر کے حصول کے لئے کچھ کوشش کروں شاید کہ میرا نام بھی تاریخ میں محفوظ ہو جائے۔ زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کو پولیٹیکل دنیا میں ایک تیسرے درجہ کی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے اور تیسرے درجہ کی حیثیت کوئی ایسی چیز نہیں جو اِنتہائی مقصود قرار دیا جاسکے۔ اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ مسلمان ممالک کی آزادی ضروری چیز ہے۔ کون چاہتا ہے کہ وہ ہمیشہ غلام بنا رہے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہ مطمحِ نظر ایسا ہوسکتا ہے جس سے مسلمان نوجوانوں کی رگوں میں نیا خون دَوڑنے لگے اور کیا اِس کے ذریعہ سے اسلام کو کوئی اہم پوزیشن دنیا میں حاصل ہو جاتی ہے؟

پس سوال یہ نہیں کہ اسلامی ممالک کی آزادی اچھی چیز ہے یا نہیں؟ سوال یہ ہے کہ اگر وہ آزادی ان کو حاصل ہو جائے تو پھر ہم کیا بن جاتے ہیں؟ ایک غریب آدمی جس

کے گھر میں آٹا بھی نہیں ہم یہ نہیں کہتے کہ اسے آٹا نہ ملے، مگر آٹا مل جانے سے کیا اس کی دنیا میں کوئی پوزیشن قائم ہوسکتی ہے؟ اگر سیر بھر آٹے کا اس کے لئے انتظام بھی ہو جائے تب بھی وہ جن کے پاس کئی کئی کروڑ روپیہ ہے ان کے مقابلہ میں اُس کی کوئی حیثیت نہیں ہوسکتی۔ پس ہم یہ نہیں کہتے کہ مسلمان حکومتوں کو آزادی حاصل نہ ہو۔ہم چاہتے ہیں مسلمان ممالک آزاد ہوں، ہم چاہتے ہیں کہ مسلمان حکومتیں طاقتور ہوں لیکن جو سوال ہمارے سامنے ہے وہ یہ ہے کہ اِس آزادی کے بعد دنیا میں ہماری پوزیشن کیا بنتی ہے؟ مسلمان اِس بات کا مدعی ہے کہ وہ ساٹھ کروڑ ہے۔عیسائیوں نے جو تازہ جغرافیہ لکھا ہے اِس میں اُنہوں نے مسلمانوں کی تعداد اڑتالیس کروڑ بیس لاکھ مان لی ہے لیکن دنیا کی آبادی دو ارب چالیس کروڑ ہے دو ارب چالیس کروڑ ہی میں اڑتالیس کروڑ بیس لاکھ تمام آبادی کا چوتھا حصّہ بنتے ہیں۔ گویا اگر سارے مسلمان آزاد ہو جائیں، اگر ہر اسلامی مُلک میں اُتنی ہی دولت ہو جتنی امریکہ میں پائی جاتی ہے، اُتنا ہی اسلحہ ہو جتنا امریکہ میں پایا جاتا ہے، اُتنی ہی تجارت ہو جتنی امریکہ میں پائی جاتی ہے پھر بھی روپیہ میں سے چونی انہیں حاصل ہوگی۔اب تم خود ہی بتاؤ کہ ۱۲ آنے بڑے ہوتے ہیں یا چونی بڑی ہوتی ہے؟ چونی بہر حال چھوٹی ہوتی ہے اور ۱۲ آنے بڑے ہوتے ہیں۔ وہ ہندو جس کو ہمارے آدمی تحقیر کے طور پر کراڑ کراڑ کہا کرتے تھے وہ بھی آزادی کے بعد بتّیس کروڑ آبادی کا مالک بن چُکا ہے۔ پھر چین کو دیکھ لو اس کی آبادی اور رقبہ کو لے لو اِس کی آبادی پچاس کروڑ ہے۔اگر مسلمان اڑتالیس کروڑ ہی ہوں تو خالی چین کے لوگوں کی تعداد مسلمانوں سے زیادہ ہے۔ پس سوال یہ ہے کہ اگر ایسا بھی ہو جائے تو یہ کونسا مقصد ہے جو ہر مسلمان کے سامنے رہنا چاہئے؟

مَیں نے بتایا ہے کہ اگر کوئی آدمی مر رہا ہو تو ہماری خواہش ہوگی کہ خدا کرے وہ بچ جائے لیکن کیا جو شخص مرنے سے بچ جائے وہ بادشاہ ہو جایا کرتا ہے؟ یا کوئی بڑا عالم ہو جایا کرتا ہے؟ مسلمانوں کی آزادی کے لئے جدوجہد کے معنے صرف اتنے ہیں کہ مسلم باڈی پالیٹکس میں مرض پیدا ہو چُکا ہے اور وہ اس مرض کو دور کرنے کی کوشش کر رہے ہیں ہماری

خواہش ہوگی کہ وہ مرض دُور ہو جائے بلکہ ہماری دعا ہوگی کہ وہ مرض دُور ہو جائے لیکن اگر یہ مرض دُور ہو جائے تب بھی دنیا کی قوموں میں بیٹھتے وقت ایک مسلمان کی کیا پوزیشن ہوگی؟ اگر ایران بھی آزاد ہو جائے، اگر مصر کے مسائل بھی حل ہو جائیں، اگر فلسطین اور شام اور لبنان بھی آزاد ہو جائیں، اگر سوڈان بھی آزاد ہو جائے، اگر تمام اسلامی ممالک ے جھگڑے ختم ہو جائیں، اُن کی طاقت بڑھ جائے، اُن کا روپیہ زیادہ ہو جائے، اُن کی عظمت ترقی کر جائے، دولت اُن کے ہاتھ میں آجائے، تمام تجارت جو اِس وقت امریکہ کے پاس ہے اِن پر اُن کا قبضہ ہو جائے پھر بھی ۱۲ آنے کے مقابلہ میں وہ چار آنے کے مالک رہتے ہیں اور جب ان کی حالت یہ ہوگی کہ چونی ان کے پاس ہوگی اور ۱۲ آنے غیر کے پاس ہوں گے تو اسلام کسی طرح غالب آیا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کسی طرح قائم ہوئی۔

غرض جو شخص بھی اِس مسئلہ پر اِس رنگ میں غور کرے گا اور عقل سے کام لے گا وہ بعثتِ محمدیہ کی یہ غرض قرار دیتا کہ سیاسی لحاظ سے ایران آزاد ہو جائے، مصر آزاد ہو جائے، شام اور فلسطین آزاد ہو جائیں، لبنان آزاد ہو جائے، سوڈان آزاد ہو جائے، پاکستان مضبوط ہو جائے اپنی انتہائی پَست خیالی تصور کرے گا وہ شرمائے گا کہ میں یہ کیا کہہ رہا ہوں اور کونسا مقصد ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی طرف منسوب کر رہا ہوں۔ کیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے آئے تھے کہ یہ چھوٹے چھوٹے علاقے آزاد ہو جائیں؟ کیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس لئے آئے تھے کہ مسلمان دنیا میں ایک چونی کی حیثیت حاصل کر لیں۔ مَیں تو سمجھتا ہوں اگر میرے واہمہ اور خیال میں بھی ایسا نظریہ آئے تو میرا ہارٹ فیل ہو جائے کہ میں کتنا پَست نظریہ اُس عظیم الشان اور مقدس انسان کی بعثت کے متعلق رکھ رہا ہوں جسے خدا نے اوّلین و آخرین کا سردار بنایا۔ مَیں تو سمجھوں گا میرے جیسا جھوٹا انسان دنیا میں اور کوئی نہیں جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے عظیم الشان رسول کی طرف اِتنا چھوٹا، اِتنا معمولی اور اِتنا ادنیٰ درجہ کا خیال منسوب کر رہا ہو کہ اتنا بڑا رسول اس لئے آیا تھا کہ ایران کے تیل کے چشمے آزاد ہو جائیں،

اِس لئے آیا تھا کہ مصر آزاد ہو جائے، اِس لئے آیا تھا کہ فلسطین اور شام اور لبنان کے جھگڑے دُور ہو جائیں۔ میں جانتا ہوں کہ مخالف یہ کہیں گے کہ دیکھا! ہم نہیں کہتے تھے یہ لوگ مسلمانوں کے دُشمن ہیں اِنہیں اسلامی ممالک کی آزادی سے کوئی تعلق نہیں۔ لیکن مَیں ان کے اعتراضات کی پرواہ نہیں کرتا۔ میں جانتا ہوں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور آپ کی شان کیا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اِس عظمت اور شان کے مقابلہ میں اِس ادنیٰ ترین مقصد پر آکر ٹھہر جانا قطعی طور پر اپنی نابینائی کا اظہار کرنا ہے۔ اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ایران کے تیل کے چشموں کے آزاد ہونے سے قائم ہوتی ہے، اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت مصر سے انگریزی فوجوں کے نکل جانے سے قائم ہوتی ہے تو پھر جب انگریزوں نے ایک ایک مُلک سے مسلمانوں کو کان پکڑ کر نکال دیا تھا تو تمہیں کہنا چاہئے تھا کہ عیسیٰؑ کی عظمت ظاہر ہوگئی بلکہ عیسائیت کی موجودہ طاقت کو مدنظر رکھتے ہوئے تمہیں اب بھی تسلیم کرنا چاہئے کہ عیسائیت اسلام پر بازی لے گئی لیکن ہر باشعور انسان جو حقیقت کو جانتا ہے اور سمجھ سکتا ہے کہ مُلکوں کی آزادی بالکل اَور چیز ہے اور مذہب کا غلبہ ایک دوسری چیز ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دنیا میں آکر یہ اصول پیش فرمایا کہ تمہارا یہ مطمح نظر نہایت ادنیٰ ہے تمہیں اپنے افکار کو بلند کرنا چاہئے۔ تمہیں سمجھنا چاہئے کہ تمہارا کیا منصب ہے اور کونسا کام جو خدا تعالیٰ نے تمہارے سپرد کیا ہے۔ بے شک سیاست کے لحاظ سے بھی مسلمانوں کی اصلاح ضروری ہے۔ بے شک دولت کے لحاظ سے بھی مسلمانوں کو ترقی کی ضرورت ہے، بے شک تمدن کے لحاظ سے بھی مسلمانوں کو اپنے اندر تغیر پیدا کرنے کی ضرورت ہے مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی غرض یہ بھی تھی کہ اسلام کو روحانی طور پر دنیا میں غالب کیا جائے۔ اب اِس کی تشریح کرو تو اِس عظیم الشان مقصد کے یہ معنے بن جاتے ہیں کہ اسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے دلائل اِتنی طاقت پکڑ جائیں کہ مسلمانوں کے ساتھ باتیں کرتے وقت وہ کنّی کترانے لگیں۔ آج یورپ میں جو بھی لٹریچر شائع ہوتا ہے اس میں یہ لکھا ہوتا ہے کہ اسلام میں

فلاں نقص ہے اور اسلام میں فلاں خرابی ہے، لیکن کل اسلام کو ایسا غلبہ حاصل ہو کہ یورپ کے رہنے والے اپنی کتابوں میں یہ لکھیں کہ اسلام میں فلاں بات بہت اعلیٰ ہے مگر عیسائیت بھی اس سے بالکل خالی نہیں۔ مسیحؑ کی فلاں بات سے ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے بھی دنیا کے سامنے یہی بات پیش کی تھی، آج کا یورپ زدہ مسلمان یورپ کی ڈیما کریسی کو دیکھ کر کہتا ہے کہ قرآن سے بھی کچھ کچھ ایسے ہی اصول ثابت ہوتے ہیں اور یہ خوبی ہمارے اندر بھی پائی جاتی ہے۔ یہ اپالوجی (Apology) ہے جو آج کا مسلمان پیش کر رہا ہے اور یہ اسلام کے لئے فخر کا دن نہیں۔ اسلام کے لئے فخر کا دن وہ ہوگا، جب یورپ اور امریکہ میں یہ کہا جائے گا کہ یہ اسلامی پردہ جو مسلمان پیش کرتے ہیں اس کی کچھ کچھ انجیل سے بھی تائید ہوتی ہے اور ہمارے مسیحؑ نے بھی جو فلاں بات کہی ہے، اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اس قسم کا پردہ ہونا چاہئے۔ اسلام کے لئے فخر کا دن وہ ہوگا جب یورپ اور امریکہ کا عیسائی اپنی تقریروں میں یہ کہے گا کہ کثرتِ ازدواج کا مسئلہ جو مسلمان پیش کرتے ہیں بے شک یہ بڑا اچھا مسئلہ ہے اور عیسائیوں نے کسی زمانہ میں اس کے مخالف بھی کہا لیکن حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے پوری طرح غور نہیں کیا تھا۔

اصل بات یہ ہے کہ عیسائیت کے وہ بزرگ جو پہلی صدی میں گزرے ہیں انہوں نے بھی دو دو تین تین شادیاں کی ہیں، پس کثرتِ ازدواج کی خوبی صرف اسلام میں ہی نہیں بلکہ عیسائیت میں بھی پائی جاتی ہے۔ جس دن یورپ اور امریکہ کے گرجوں میں کھڑے ہو کر ایک پادری اپنے مذہب کی اس رنگ میں خوبیاں بیان کرے گا وہ دن ہوگا، جب ہم کہیں گے کہ آج اسلام دنیا پر غالب آ گیا۔ اب ہمیں اپالوجی (Apology) کی ضرورت نہیں۔ اب دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ یہ خوبیاں ان کے اندر بھی پائی جاتی ہیں یہ ہوگا اسلام کا غلبہ اور یہ ہوگا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا دن۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا وہ دن ہوگا جب دو ارب چالیس کروڑ کی دنیا میں چالیس کروڑ مسلمان نہیں ہوگا بلکہ دو ارب مسلمان ہوگا اور چالیس کروڑ غیر مذاہب کا پیرو ہوگا۔ مگر یہ نظریہ کس نے پیش کیا؟ یہ صرف حضرت مرزا صاحب نے پیش کیا اور یہی وہ چیز

ہے جس پر آپ پر کفر کا فتویٰ لگایا گیا اور کہا گیا کہ اسلام کے غلبہ کا یہ کونسا طریق ہے۔ اسلام تو اس طرح غالب آ سکتا ہے کہ تلوار ہاتھ میں لی جائے اور کفار کو تہہِ تیغ کر دیا جائے۔ مگر غور کر کے دیکھ لو کہ کونسا نظریہ ہے جو اسلام کی عظمت کو قائم کرنے والا ہے اور کونسا مطمحِ نظر ہے جس پر ایک سچا مسلمان تسلّی پا سکتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ مطمحِ نظر پیش کیا ہے کہ اسلام کو روحانی غلبہ سب دنیا پر حاصل ہوگا اور روحانی غلبہ کے معنے یہ ہیں کہ دنیا کے سیاسی اور اخلاقی اور مذہبی معیاروں کو بدل دیا جائے گا۔ آج یہ کہا جاتا ہے کہ اسلام قابلِ اعتراض نہیں کیونکہ یورپین تہذیب کی فلاں فلاں بات کی وہ تائید کرتا ہے یا وہ ڈیماکرسی جو آج یورپ پیش کرتا ہے بڑی اچھی چیز ہے مگر اسلام نے بھی اس ڈیماکرسی کی تائید کی ہے۔ یہ طریق جو آج مسلمانوں نے اختیار کر رکھا ہے یہ ہرگز اسلام کے لئے کسی عزت کی بات نہیں۔ ہم تو اُس دن کے منتظر ہیں جب امریکہ کے منبروں پر کھڑے ہو کر عیسائی پادری یہ کہا کریں گے کہ وہ اسلامی حُریت اور آزادی جس کو قرآن پیش کرتا ہے ہماری قوم بھی اس سے بالکل خالی نہیں اور ہم اس کی تائید میں اپنی کتابوں کے حوالے پیش کرتے ہیں یا وہ اخلاقی، مذہبی اور سیاسی معیار جو اسلام پیش کرتا ہے اُسی سے ملتے جُلتے معیار ہماری کتابوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔

غرض آجکل کا مسلمان آزادی کا تو دعویٰ کرتا ہے مگر ذہنی غلامی اختیار کرتے ہوئے وہ چاہتا ہے کہ وہ بھی مغربی تہذیب کے اچھے نقالوں میں سے بن جائے وہ انہی کے نام پر اُن کی نقل کرنے میں عزت محسوس کرتا ہے اور اگر وہ آزادی ظاہر کرتا ہے تو صرف اتنی کہ کسی میں مغربی تہذیب کا نقّال بننا چاہتا ہے اور کسی میں کمیونسٹ نظریہ کا نقّال بننا چاہتا ہے اور نقل خواہ دس متفرق آدمیوں کی کی جائے بہرحال نقل ہے لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دنیا کے سامنے یہ مطمحِ نظر رکھا کہ کسی دن یورپ بھی میرا نقّال ہوگا اور امریکہ بھی میرا نقّال ہوگا۔ اب دیکھو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ السلام نے جو بات کہی کہ دنیا کا سیاسی اور اخلاقی اور مذہبی نقطہ نظر بدل کر اُن کو مسلمان بنا لینا اور پھر اسلام کے مطابق اُن کے اعمال کو ڈھال دینا یہ مطمحِ نظر ہے جو تمہیں اپنے سامنے رکھنا چاہئے۔

اِس کا قرآن کریم سے بھی ثبوت ملتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ [۱۲] خدا ہی ہے جس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں بھیجا ہے ہدایت دے کر اور دین حق دے کر۔تلوار دے کر اور ڈنڈا دے کر نہیں لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ تا کہ وہ سارے دینوں پر اُسے غالب کرے۔سارے مُلکوں پر نہیں کیونکہ مُلکوں پر قبضہ کر لینا کوئی بڑی بات نہیں، بڑی بات یہی ہے کہ دلوں پر قبضہ ہو۔

اب دیکھو اِس آیت میں وہی چیز بیان کی گئی ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیش فرمائی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا یہ مقصد نہیں کہ ایران کے تیل کے چشمے آزاد ہو جائیں، مصر سے انگریزی فوجیں نکل جائیں، شام اور فلسطین آزاد ہو جائیں یہ باتیں ہوں گی اور ضرور ہوں گی مگر بہرحال یہ ابتدائی چیزیں ہیں مسلمان اس کے لئے جدوجہد کر رہا ہے اور وہ ایک دن اپنی غلامی کا جامہ چاک چاک کر کے پھینک دے گا لیکن یہ آزادی اُس کا مقصد نہیں۔جب کسی کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ اُس کا ناک بھی پُونچھتا ہے مگر اُس کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ بچہ پیدا ہو تو میں اُس کا ناک پُونچھا کروں گا۔مقصد اُس کا یہی ہوتا ہے کہ وہ بڑا عالم فاضل ہو عقل بھی یہی کہتی ہے کہ چند ریاستوں پر کسی کا قبضہ کر لینا کوئی بڑی بات نہیں۔دلوں کو بدل دینا اور اُن کو فتح کر لینا بڑی بات ہے۔

فرض کرو پاکستان کسی وقت اِتنی طاقت پکڑ جائے کہ وہ حملہ کرے اور سارے امریکہ کو فتح کر لے اور امریکہ کے لوگ ہمیں ٹیکس دینے لگ جائیں لیکن امریکہ کا آدمی اسلام اور قرآن پر لعنتیں ڈالتا ہو تو یہ بڑی فتح ہو گی یا امریکہ آزاد رہے لیکن امریکہ کے ہر گھر میں رات کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیج کر سونے والے لوگ پیدا ہو جائیں تو یہ بڑی بات ہو گی؟ پس عقل بھی یہی کہتی ہے کہ یہی مقصد سب سے بالا ہے۔یا مثلاً پاکستان کی ہندوستان سے کسی وقت لڑائی ہو جائے اور پاکستان ہندوستان کو فتح کر لے تو پھر بھی یہ کونسی فتح ہے۔پہلے بھی یہی کہا گیا تھا ہندوستان کو فتح کر لیا گیا لیکن پھر وہ فتح کس طرح

بے حقیقت بن کر رہ گئی اور کس طرح مسلمان سخت ذلّت کے ساتھ وہاں سے نکلے کہ ہر شخص بزبانِ حال یہ کہہ رہا تھا کہ:-

بہت بے آبرو ہو کر تیرے کوچہ سے ہم نکلے

لیکن اگر پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بتائے ہوئے مقصد کو اپنے سامنے رکھتے ہوئے مسلمان کھڑا ہو اور وہ پھر ہندوستان میں داخل ہو تلوار کے زور سے نہیں بلکہ قرآن کے زور سے، بندوق کے زور سے نہیں بلکہ سچائی کے زور سے۔ شام لال ہندو عبداللہ بن جائے، سندر داس ہندو عبدالرحمٰن بن جائے، ویدوں کی جگہ قرآن پڑھا جانے لگے تو آج تو تم اِس طرح نکلے ہو کہ وہ تمہیں نکال کر خوش ہوئے ہیں لیکن اگر تم یہ فتح حاصل کر لو اور تم کسی دن اُن سے یہ کہو کہ اب ہمارا کام ہندوستان میں ختم ہو چُکا ہے اب ہم چین کو جاتے ہیں تو تم دیکھو گے کہ اُس دن سارے ہندوستان میں کُہرام مچ جائے گا اور ہر شخص رونے لگ جائے گا اور کہے گا خدا کے لئے ہمیں چھوڑ کر نہ جاؤ تم ہمارے لئے خیر اور برکت کا مؤجب ہو۔ یہ چیز ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیش فرمائی اور اِسی کی قرآن بھی تائید کرتا ہے اور عقل بھی تائید کرتی ہے اور جذباتِ صحیحہ بھی تائید کرتے ہیں کیونکہ جذباتِ صحیحہ اِس بات کو کبھی تسلیم نہیں کرتے کہ کسی کو مُکّا مار کر اُس سے یہ کہا جائے کہ تو مجھے پیار کر لیکن محبت اور پیار کے ساتھ اسے اپنا غلام بنا لو تو پھر تم اُسے کہو بھی کہ خدمت نہ کرو تو وہ کہے گا مجھے ثواب لینے دیں اپنی خدمت سے محروم کیوں کرتے ہیں۔

میں نے کئی دفعہ دیکھا ہے کہ سندھ میں جب مجھے گھوڑے پر سوار ہو کر کہیں جانا پڑتا ہے تو ساتھ ساتھ کوئی مخلص احمدی بعض دفعہ عمر کے لحاظ سے بڑھاپے میں قدم رکھ رہا ہوتا ہے وہ دَوڑتا چلا جاتا ہے۔ اُسے منع بھی کرو تو وہ رکتا نہیں اور ساتھ ساتھ دَوڑتا چلا جاتا ہے اور جب میں گھوڑے سے اترتا ہوں تو وہ پیر دبانے لگ جاتا ہے کہ آپ تھک گئے ہوں گے۔ اسے بہتیرا کہا جاتا ہے کہ میاں! مَیں گھوڑے پر سوار رہا اور تم پیدل چلتے آئے تھکا میں ہوں یا تم؟ مگر وہ یہی کہتا چلا جاتا ہے کہ نہیں آپ تھک گئے ہوں گے مجھے پیر

دبانے دیں۔ یہ غلامی ہے جو محبت کی غلامی ہے اور جس میں انسان اپنی عزت محسوس کرتا ہے۔لیکن اس کی بجائے اگر کسی بڈھے کو مار مار کر ہم کہیں کہ آؤ اور ہمارے پیر دباؤ تو سب لوگ کہنے لگ جائیں گے کہ دیکھو! یہ مذہبی لیڈر بنے پھرتے ہیں اور حالت یہ ہے کہ ایک بڈھے کو مار رہے ہیں لیکن اب سوار ہم ہوتے ہیں اور پیدل وہ چلا آتا ہے لیکن گھوڑے سے اُترتے ہی وہ ہمارے پیر دبانے لگ جاتا ہے دیکھنے والا دیکھتا ہے اور حیران ہوتا ہے بلکہ اسے منع بھی کرو تو وہ کہتا ہے تم مجھے منع کرنے والے کون ہو میں تو ثواب حاصل کر رہا ہوں۔

چوتھا اصول حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ پیش فرمایا کہ الہامِ الٰہی کا دروازہ قیامت تک کھلا ہے اِس کے مقابلہ میں غیر احمدیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ الہامِ الٰہی کا دروازہ بند ہو چُکا ہے۔اب دیکھ لو حضرت مرزا صاحب نے جو کچھ کہا نقل اس کے مطابق ہے۔چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۱﴾ [۱۳] یعنی وہ لوگ جو سچے دل سے اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں اور پھر مخالفتوں کے باوجود اپنے اِس ایمان پر قائم رہتے ہیں اور صبر اور استقامت سے کام لیتے ہیں اللہ تعالیٰ کے فرشتے ان پر اُترتے ہیں اور وہ اُنہیں خوشخبری دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ تم اپنے گزشتہ مصائب پر کسی قسم کا خوف مت کھاؤ اور نہ آئندہ کے لئے کوئی غم کرو ہم تمہارے ساتھ ہیں اور تمہاری مدد کرنے کے لیے ہر وقت تیار ہیں۔ پھر اِسی دنیا کا سوال نہیں بلکہ ہم تم کو یہ بھی خبر دیتے ہیں کہ اگر اِن کشمکش اور تکلیف کے دنوں میں تمہیں موت آ گئی تو تمہاری موت بھی بڑی خوشی کا موجب ہو گی اور تم جنت میں داخل کئے جاؤ گے۔

اب دیکھو قرآن مجید نے صاف طور پر یہ بیان فرمایا ہے کہ مومنوں پر فرشتے نازل ہوتے ہیں جو مصائب میں اُنہیں تسلی دیتے ہیں اور مشکلات میں اُن کی ڈھارس بندھاتے ہیں اور آئندہ کے لئے انہیں بشارتیں دیتے ہیں اور اِسی چیز کو وحی اور الہام کہا جاتا ہے۔

پُرانے بزرگوں نے اس پیغام کو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملے وحی کی بجائے الہام کہنا شروع کر دیا تھا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اُن کا لحاظ کرتے ہوئے اِسے الہام ہی قرار دیا ورنہ وحی اور الہام میں کوئی فرق نہیں۔ بہرحال نام کچھ رکھ لو واقعہ یہی ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے بندوں سے ہمکلام ہوتا ہے اور ان پر اپنی مرضی کو ظاہر فرماتا ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو دعویٰ فرمایا وہ بے ثبوت نہیں بلکہ نقل اِس کی تائید میں ہے۔ پھر حدیثوں سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ **لَمْ یَبْقَ مِنَ النُّبُوَّةِ اِلَّا الْمُبَشِّرَات**۔[۱۴] یعنی اب صرف مبشرات باقی رہ گئی ہیں اور مبشرات اِسی کو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو بشارت دے اور اُن سے ہمکلام ہو۔ پھر عقل بھی یہی کہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے الہام کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے جاری رہنا چاہئے کیونکہ بولنا اور کلام کرنا اُس کی صفت ہے اور جب خدا تعالیٰ کی اَور تمام صفات کام کر رہی ہیں تو کلام کرنے کی صفت اُس کی کیوں باطل ہوگئی۔ جب لوگوں سے پوچھا جائے کہ کیوں جی اللہ تعالیٰ دعائیں سنتا ہے؟ تو کہیں گے جی ہاں کیوں نہیں سنتا وہ سمیعُ الدعاء ہے۔ پوچھا جائے کیا خدا دیکھتا ہے؟ کہیں گے کیوں نہیں خدا بصیر ہے۔ پوچھا جائے کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے؟ کہیں گے کیوں نہیں **اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ**[۱۵] اللہ تعالیٰ ہر بات پر قادر ہے۔ پھر پوچھا جائے کیا خدا بات کرتا ہے؟ کہیں گے نہیں جی کسی پُرانے زمانہ میں وہ بات کیا کرتا تھا اب تو نہیں کرتا۔ گویا اللہ تعالیٰ کی ننانوے صفات جو بیان کی جاتی ہیں اُن میں سے تو سب صفات سلامت ہیں ایک بولنے والی صفات میں کچھ خرابی پیدا ہوگئی ہے۔ گویا اُس کی زبان کے نروز (Nerve) نعوذ باللہ مفلوج ہو گئے ہیں اور اب وہ اپنے بندوں سے کلام نہیں کر سکتا۔ دنیا میں تو گونگا بھی اشارے کر لیتا ہے مگر اِس زمانہ میں لوگ جس خدا کو پیش کرتے ہیں وہ اشارے بھی نہیں کر سکتا۔

پھر جذباتِ صحیحہ کو لو تو وہ بھی اِس کی تائید کرتے ہیں کیونکہ خدا تعالیٰ کے ساتھ انسان کو جو تعلق ہے اس کی بنیاد محض محبت پر ہے اور جذباتِ محبت پر ہے اور جذباتِ محبت بغیر

معشوق سے ملنے کے کبھی تسلی نہیں پا سکتے ۔ اگر تم اپنے کسی محبوب کے پاس جاؤ اور اس کے پاس گھنٹوں بیٹھے رہو مگر وہ تم سے بات تک نہ کرے اور تمہاری طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھے تو اپنے ایمان سے کہو کہ تم وہاں سے روتے ہوئے آؤ گے یا ہنستے ہوئے آؤ گے؟ وہ تم سے بولتا ہے تو تمہارا دل خوش ہوتا ہے اور اگر بات نہیں کرتا تو تم پر موت آ جاتی ہے۔ پس جذباتِ صحیحہ بھی اسی اصول کی تائید کرتے ہیں وہ شخص جو یہ عقیدہ پیش کرتا ہے کہ خدا نہیں بولتا وہ اگر یہ کہتا ہے کہ میں خدا سے محبت کرتا ہوں تو وہ جھوٹ بولتا ہے۔ ایک گونگے سے انسان پھر بھی محبت کر سکتا ہے کیونکہ سمجھتا ہے کہ اس کی زبان نہیں لیکن اگر زبان ہو اور پھر بھی کوئی شخص نہ بولے تو اس سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔

پانچویں بات جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیش کی وہ یہ ہے کہ قرآن کریم ایک زندہ کتاب ہے مگر غیر احمدیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ قرآن میں جو کچھ لکھا ہوا ہے وہ ہے تو خدا تعالیٰ کی طرف سے مگر اس کی بہت سی آیتیں منسوخ ہیں یعنی وہ قرآن میں تو لکھی ہوئی ہیں مگر واجبُ العمل نہیں ۔ پھر وہ کہتے ہیں اس کے مطالب بہت محدود ہیں۔ امام رازی تک تو اس کے علوم کا انکشاف ہوتا رہا مگر اس کے بعد اس کے روحانی معارف کا انکشاف لوگوں پر بند ہو گیا۔ گویا قرآن اس چشمہ کی مانند ہے جو خشک ہو چُکا ہے یا نعوذ باللہ وہ ایک اندھا کنواں ہے جو لوگوں کی تشنگی کو فرو کرنے کے لئے اپنے اندر پانی کا ذخیرہ نہیں رکھتا کسی زمانہ میں تو لوگ اس قرآنی چشمہ سے سیراب ہوتے تھے اور اس آسمانی کنوئیں سے اپنی پیاس بجھاتے تھے لیکن اب وہ اس قرآن سے نئے معارف اور نئے حقائق اور نئے علوم حاصل نہیں کر سکتے ۔ یہ سلسلہ انکشاف صرف امام رازی تک جاری رہا ہے اس کے بعد یہ کان ختم ہو گئی اور اب اس میں سے کوئی نئی دولت حاصل نہیں کی جا سکتی۔

پھر وہ کہتے ہیں قرآن ہے تو خدا کی کتاب مگر یہ خدا سے مِلا نہیں سکتی۔ تعلق بِاللہ پیدا کرنا جو ہر الٰہی کتاب کا خاصہ ہوا کرتا ہے وہ کام اب قرآن سے نہیں لیا جا سکتا ہے۔ حالانکہ اگر یہ کتاب تعلق باللہ والا کام نہیں کرتی تو اس کے معنے یہ ہیں کہ یہ قیامت تک کے

لوگوں کے لئے ہدایت نامہ نہیں کیونکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی کتاب اسی لئے آتی ہے کہ وہ لوگوں کو خدا سے ملائے جو کتاب بندوں کو خدا سے نہیں ملاتی اُس کتاب کو لے کر ہم نے کرنا کیا ہے اور اگر وہ نہیں ملاتی تو اس کے صاف معنے یہ ہیں کہ وہ الٰہی کتاب نہیں۔ اب اگر وہ دنیا میں رہے تب بھی بیکار ہے اور اگر نہ رہے تب بھی حرج نہیں۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ بالکل غلط عقیدہ ہے قرآن وہ کتاب ہے جو انسان کے دل میں خدا تعالیٰ کی خشیت پیدا کر کے اُس کو خدا کی طرف لے جاتی ہے اور انسان کی جتنی طبعی اور روحانی ضرورتیں ہیں اُن کو پورا کرتی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ [۱۶] ہم نے اس قرآن میں پھیر پھیر کر اور چکر دے دے کر اور نئے نئے اُسلوب سے اور نئی نئی طرزوں سے نئی نئی فطرتوں کے لئے مضامین بیان کئے ہیں اور پھر مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ہر قسم کے مضامین بیان کئے ہیں۔

دو ہی چیزیں ہوتی ہیں جو کسی تعلیم کی برتری کو ثابت کرتی ہیں۔ ایک یہ کہ ہر قسم کے مضامین اُس میں بیان ہوں اور دوسرے یہ کہ مختلف طبقات میں سے ہر طبقہ کے لیے اُس میں مضامین بیان ہوں اور یہ دونوں خصوصیتیں قرآن کریم میں پائی جاتی ہیں۔ گویا کوئی انسان نہیں رہا جو قرآن کا مخاطب نہ ہوا ور کوئی بات نہیں رہی جو قرآن نے بیان نہ کی ہو۔ جب ہر بات اِس میں بیان کر دی گئی ہے اور ہر قسم کے لوگوں کی فطرت کو ملحوظ رکھ کر اُس میں تعلیم نازل کی گئی ہے تو پھر بنی نوع انسان کو اپنے خدا کی محبت اور اس کا پیار کیوں حاصل نہ ہو۔ بے شک پُرانے زمانہ میں موسٰیؑ اور عیسٰیؑ اور دوسرے نبیوں کو خدا ملا اور ہم اِس پر ایمان رکھتے ہیں لیکن ہمارا دل اس سے تسلی نہیں پاتا۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمیں بھی خدا کی محبت حاصل ہو۔ اور زندہ کتاب وہی کہلا سکتی ہے جو زندہ خدا سے ہمارا تعلق پیدا کر دے۔ اگر وہ ہمیں اپنے خدا سے نہیں ملاتی تو اِس کتاب کا وجود اور عدم ہمارے لئے برابر ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ ہم نے ہر انسان کی روحانی ضرورتوں کے پورا کرنے کے سامان اس کتاب میں رکھ دیئے ہیں جو بھی سچے دل سے اس پر عمل کرے گا وہ اپنے خدا کو پالے گا۔

اسی طرح فرماتا ہے وَ اُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَ مَنْۢ بَلَغَ ۱۷
دیکھوقرآن میری طرف اِس لئے وحی کیا گیا ہے کہ مَیں اِس کے ذریعہ تمہیں بھی فائدہ پہنچاؤں اور وہ تمام لوگ جن کے کانوں تک اس کتاب کی آواز پہنچے اُن کو بھی فائدہ پہنچاؤں اور وہ بھی خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں ۔غرض ایک طرف قرآن کریم نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس میں ہر قسم کے مضامین بیان کئے گئے ہیں اور ہر قسم کے لوگوں کو مخاطب کیا گیا ہےاور دوسری طرف اِس نے یہ کہا ہے کہ جس کے ہاتھ میں بھی قرآن ہوگا اُس کو فائدہ پہنچے گا کیونکہ یہ اِسی لئے نازل کیا گیا ہے کہ وہ سب لوگ جن کے کانوں تک اس کی آواز پہنچے اُن کو فائدہ پہنچائے ۔پس جب قرآن قیامت تک کے لئے ہے اور جب قرآن سب دنیا کو فائدہ پہنچانے کے لئے نازل کیا گیا ہے تو یہ کہنا کہ اب نئے معارف اس کتاب میں سے نہیں نکل سکتے یا خدا سے انسان مل نہیں سکتا دونوں غلط عقیدے ثابت ہوئے ۔

اِسی طرح مَیں نے بتایا ہے کہ مسلمان یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ قرآن کریم کی کئی آیتیں منسوخ ہیں لیکن جب ہم قرآن کریم کو دیکھتے ہیں تو ہمیں اس میں یہ آیت نظر آتی ہے کہ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۱۸ محکمات اور متشابہات کے کیا معنے ہیں؟ میں اِس وقت اس بحث میں نہیں پڑتا اِن کے معنے خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے مجھ پر حل کر دیئے ہیں، میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے وضاحتاً یہ بات بیان فرمائی ہے کہ قرآن کریم میں صرف دو قسم کی آیات ہیں کچھ آیات محکم ہیں اور کچھ متشابہہ۔اب کوئی بھی مفسّر ایسا نہیں جو متشابہہ کے معنے منسوخ کے کرتا ہو وہ متشابہہ کے کوئی نہ کوئی معنے کرتا ہے،مگر یہ نہیں کرتا کہ اس کے معنے منسوخ آیات کے ہیں۔اور جب قرآن کہتا ہے کہ میرے اندر صرف دو ہی قسم کی آیات ہیں یا محکم ہیں یا متشابہہ اور متشابہہ کے معنے منسوخ کے نہیں تو منسوخ آیات کہاں سے آگئیں؟ یا تو قرآن ہی کہتا کہ میرے اندر بعض آیات منسوخ بھی ہیں مگر وہ تو کہتا ہے کہ اِس کتاب میں صرف دو ہی قسم کی آیات ہیں محکمات یا متشابہات اور

متشابہات کے معنے منسوخ کے نہیں پھر یہ تیسری قسم کی آیات کہاں سے آ گئیں جن کو منسوخ کہا جاتا ہے۔

عقل بھی یہی کہتی ہے کہ جو کتاب آخر زمانہ تک کے لئے ہو وہ لازماً کامل ہونی چاہئے اور جب کوئی کتاب کامل ہوگی تو لازماً وہ زندہ بھی رہے گی۔ یہ کسی طرح ہوسکتا ہے کہ کامل کتاب نازل ہو اور پھر اُس کی برکات کا سلسلہ معدوم ہو جائے اور اُس کے پاکیزہ اثرات جاتے رہیں۔ اِسی طرح جو کتاب شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ ہوگی وہ منسوخ ہونے کے شُبہ سے کُلّیتہً پاک ہوگی۔ میں تو سمجھتا ہوں قرآن کریم کو شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ اسی لئے کہا گیا ہے کہ لوگوں کے دلوں میں یہ غلط عقیدہ پیدا ہونے والا تھا کہ قرآن کریم کی کئی آیات منسوخ ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسے شفاء قرار دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ اِس میں کسی منسوخ آیت کے ہونے کا احتمال ہی نہیں ہوسکتا یہ کتاب تو علاج کے لئے نازل کی گئی ہے اور دوا میں اگر کسی قسم کی بھی غلط آمیزش کا شُبہ ہو تو اُسے استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ دیکھ لو وہی شخص جو کہتا ہے کہ قرآن میں کچھ آیتیں منسوخ ہیں اُسی سے پوچھو کہ کیا کسی جوشاندہ میں اگر تھوڑا سا سنکھیا ملا ہؤا ہو تو تم اسے استعمال کر لو گے؟ وہ کبھی ایسے جوشاندہ کو نہیں پیئے گا کیونکہ ڈرے گا کہ اگر اس میں سنکھیا ہؤا تو میں مر جاؤں گا۔ اِسی طرح اگر قرآن میں کچھ منسوخ آیات بھی ہیں تو کسی نے عمل کیوں کرنا ہے وہ تو کہے گا معلوم نہیں یہ آیت منسوخ ہے یا وہ آیت منسوخ ہے پس شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ کہہ کر اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ انسان سب سے زیادہ دوا کی حفاظت کرتا ہے کیونکہ وہ ڈرتا ہے کہ اگر میں نے احتیاط نہ کی تو علاج کرتے کرتے مر جاؤں گا۔ پھر جب تم اپنے متعلق یہ احتیاط کرتے ہو کہ تمہاری دوا میں کوئی زہر نہ ملی ہوئی ہو تو جس کتاب کو خدا تعالیٰ نے لوگوں کی امراضِ روحانیہ کا نُسخہ قرار دیا ہے اُس کے متعلق تم یہ عقیدہ کسی طرح رکھ سکتے ہو کہ اِس میں غیر اجزاء بھی پڑے ہوئے ہیں اور پھر یہ بھی پتہ نہیں کہ وہ سنکھیا ہے یا بیش ہے یا پارہ ہے یا کیا چیز ہے گویا بالکل ویسی ہی بات ہے جیسے کسی جوشاندہ میں کوئی زہر ملا دیا گیا ہو ایسی صورت میں قرآن کا کیا اعتبار رہا۔

پھر جس کتاب کے متعلق یہ کہا گیا تھا کہ وہ قیامت کے لئے ہے اُس کے متعلق

مسلمانوں نے یہ عقیدہ رکھ لیا کہ رازی تک جس قدر نکتے کُھل سکتے تھے کُھل گئے اب تمام نکات اور معارف کا سلسلہ ختم ہو چُکا ہے اب کوئی نیا نکتہ اس کتاب میں سے نہیں نکل سکتا اور جب اس کتاب میں سے نہیں نکل سکتا جب اس کتاب کے متعلق یہ عقیدہ رکھ لیا جائے تو پھر کسی کو کیا ضرورت ہے کہ وہ قرآن شریف پڑھا کرے وہ تو پھر رازی کی کتاب ہی پڑھا کرے گا۔ جیسے لوگ بڑے شوق سے انگور کھاتے ہیں لیکن انہی انگوروں کا اگر شربت بنا لیا جائے تو پھر لوگ شربت کی بوتل رکھ لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اب انگور لے کر ہم نے کیا کرنا ہے۔ اسی طرح جب امام رازی تک قرآن کا نچوڑ تمام تفسیروں میں آ گیا تو مسلمانوں کو کوئی ضرورت نہ رہی کہ وہ قرآن پڑھا کریں اسی لئے قرآن جاننے والے مسلمان بہت کم پائے جاتے ہیں لیکن تفسیریں پڑھے ہوئے مسلمان کافی تعداد میں مل جاتے ہیں، صرف مولوی عبید اللہ صاحب سندھی نے مسلمانوں میں درسِ قرآن کا کچھ رواج ڈالا ہے اور وہ بھی ہم سے سیکھ کر کیونکہ وہ حضرت خلیفہ اوّل کے زمانہ میں قادیان آتے رہے ہیں ورنہ صدیوں تک مسلمان جلالین اور دوسری تفسیریں ہی پڑھتے رہے ہیں۔ قرآن کی طرف اُنہوں نے توجہ نہیں کی کیونکہ جب اُنہوں نے یہ سمجھ لیا کہ افشردۂ انگور[19] ہم نے لے لیا ہے تو پھر باقی جو کچھ رہ گیا وہ ان کی نگاہ میں صرف چھلکے کی حیثیت ہی رکھ سکتا تھا، اس کو لے کر انہوں نے کیا کرنا تھا۔

چھٹی بات حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ السلام نے یہ پیش فرمائی کہ خدا تعالیٰ ہمیشہ اپنی قدرتوں کو ظاہر کرتا رہتا ہے۔ غیر احمدی کہتے ہیں کہ اب خدا تعالیٰ معجزات ظاہر نہیں کرتا گو اُنہی میں سے ایک طبقہ اس بارہ میں اُن سے اختلاف بھی رکھتا ہے اور وہ معجزات کا قائل ہے مگر جو معجزات ماننے والے ہیں وہ ایسے ایسے معجزات مانتے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ ایک شخص نے ہمارے خلاف ایک دفعہ تقریر کرتے ہوئے کہا کہ مرزا صاحب اپنا بڑا معجزہ یہ بیان کرتے ہیں کہ لیکھرام اُنکی پیشگوئی کے مطابق مارا گیا یا فلاں کے ہاں بیٹا پیدا ہو گیا۔ بھلا یہ بھی کوئی معجزہ ہے۔ معجزہ تو یہ ہوتا ہے کہ سید عبدالقادر صاحب جیلانی کے پاس ایک دفعہ ان کا ایک مرید آیا اور اس نے پوچھا کہ حضور کبھی مُردے بھی زندہ ہوتے

ہیں یا نہیں؟ کہنے لگے کیوں نہیں، میں ابھی دکھا دیتا ہوں وہ اُس وقت مرغا کھا رہے تھے۔ پہلے تو خوب مزے لے لے کر اس کی بوٹیاں کھائیں جب کھا کر فارغ ہوئے تو کہنے لگے، ارے! اِس کی ہڈیاں جمع کر کے لانا۔ ہڈیاں جمع کر کے لائی گئیں تو انہوں نے اوپر ہاتھ رکھا اور اُسی وقت کُڑ کُڑ کُڑ کُڑ کرتا ہؤا مُرغ نکل آیا۔ وہ کہنے لگا یہ ہوتا ہے معجزہ۔ بھلا یہ کیا معجزہ ہے کہ فلاں آدمی مر جائے گا اور فلاں کے ہاں بیٹا پیدا ہو جائے گا۔ پس یا تو وہ یہ کہیں گے کہ معجزہ ہوتا ہی نہیں اور یا پھر کُڑ کُڑ کُڑ کرتا ہؤا معجزہ مانگیں گے درمیان میں کوئی مقام ہی نہیں ہوتا جہاں وہ ٹھہر سکیں۔ لیکن دیکھو قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ﴿۳۰﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۱﴾ [۲۰] تمہارا خدا وہ ہے جو ہر وقت ایک نئی قدرت دکھاتا ہے۔ یہ کہنا کہ کسی وقت اُس کی قدرت ظاہر نہیں ہوسکتی درست نہیں بلکہ ہر وقت ہی اللہ تعالیٰ اپنی نئی قدرت اور نیا جلوہ دکھاتا ہے۔ دیکھی ہوئی چیز کو دوبارہ دیکھنا لُطف نہیں دیتا انسانی فطرت میں اللہ تعالیٰ نے جدّت کا مادہ رکھا ہؤا ہے۔ چنانچہ جب ریل گاڑی جاری ہوئی تو شروع شروع میں لوگ اُسے عجوبہ سمجھتے ہوئے اس پر پھولوں کے ہار ڈالتے تھے لیکن آہستہ آہستہ ان کا جوش ختم ہوگیا۔ پھر ہوائی جہاز اور دوسری سواریاں نکلیں تو اُن کی طرف متوجہ ہو گئے۔ غرض فطرتِ انسانی کو ہمیشہ نئی چیزوں سے لُطف آتا ہے اور وہ نئی نئی چیزوں سے تسلی پاتی ہے۔ مجھے قرآن پڑھ کر بڑا مزہ آتا ہے لیکن جب کبھی رات کو خدا میرے کان میں کوئی بات کہتا ہے تو کچھ نہ پوچھو کہ اس کا کیا مزہ ہوتا ہے کیونکہ وہ ایک نئی چیز ہوتی ہے۔ غرض قرآن یہ کہتا ہے کہ خدا ہر گھڑی ایک نئی قدرت دکھاتا ہے۔ مگر مسلمان اس کا انکار کرتے ہیں۔

عقل بھی یہی کہتی ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی قدرتیں دکھائے کیونکہ جب خدا دیکھتا ہے اور اس کے دیکھنے کی صفت معطّل نہیں، جب وہ سُنتا ہے اور اُس کے سُننے کی صفت معطّل نہیں۔ جب وہ پیدا کرتا ہے اور اس کے پیدا کرنے کی صفت معطل نہیں تو اُس کی قدرت کی صفت کیوں ظاہر نہیں ہوسکتی۔ جس طرح وہ سمیع ہے اور بصیر ہے اور خالق ہے اور یہ صفات ہمیشہ ظاہر ہوتی ہیں اِسی طرح ضروری ہے کہ اُس کی قدرت کی صفت بھی ہمیشہ

ظاہر ہو۔

جذباتِ صحیحہ بھی یہی کہتے ہیں کیونکہ جذباتِ صحیحہ ایک مفید تغیر کی ہمیشہ خواہش رکھتے ہیں اور یہ بات انسانی فطرت میں پائی جاتی ہے۔ چنانچہ اِسی فطرت کے تقاضا کو پورا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے موسم بدلتے ہیں اور نئے نئے پھل پیدا ہوتے ہیں اور انسان بھی کبھی اپنے لباس میں تغیر کرتا ہے اور کبھی مکان میں اور کبھی نئے نئے کھانے تیار کرتا ہے کیونکہ نئی چیز سے فطرت تسکین پاتی اور ایک لطیف حظ محسوس کرتی ہے۔ تم تو شاید اِسے بچوں والی بات کہو گے لیکن عاشق ہر بات کو اپنے عشق کے نقطۂ نگاہ سے دیکھتا ہے، حدیثوں میں آتا ہے جب بادل آتا، بوندیں برسنے لگتیں تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم باہر صحن میں نکلتے اور اپنی زبان پر بارش کا قطرہ لیتے اور فرماتے یہ میرے رب کی تازہ نعمت کا مزہ ہے۔[۲۱] تمہارے لئے تین دن برابر بارش برستی رہے تب بھی تمہارے دل میں کوئی احساس پیدا نہیں ہوتا لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بارش کے ایک تازہ قطرہ کو بھی دیکھتے تو اُسے اپنی زبان پر لیتے گویا قطرہ کیا آیا خدا تعالیٰ کی طرف سے پانی کا ایک ٹھنڈا اور شیریں گلاس آ گیا۔ یہ ہے سچا عشق اور اِسی کی ہر مومن سے امید کی جاتی ہے۔ وہ شخص عاشق ہی کسی طرح کہلا سکتا ہے جس میں یہ جذبہ نہ ہو کہ میرا خدا میرے لئے نئی نئی قدرتیں ظاہر کرے۔

ساتویں بات جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیش فرمائی وہ یہ ہے کہ مذہب کی بنیاد اخلاق پر ہے۔ اِسی زمانہ کے علمائے سُوء غیر مسلموں سے بدسلوکی جائز سمجھتے ہیں، وہ قتل مرتد کو ضروری سمجھتے ہیں، امن پسند غیر مسلم سے لڑنے کو ثواب سمجھتے ہیں، جو مسلمان کو غلام نہ بنائے اُسے بھی غلام بنانا جائز سمجھتے ہیں، جو اختلاف رکھتا ہو اُسے تنگ کرنا جائز سمجھتے ہیں اور دوسرے مذاہب کے بزرگوں کی تحقیر جائز سمجھتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آ کر یہ اصول پیش کیا کہ مذہب پر افراد سے زیادہ اخلاق کی پابندی ضروری ہے اس لئے غیر مسلموں سے بدسلوکی مت کرو۔ اور آپ نے فرمایا جہاد کے معنے یہ ہیں کہ جب دُشمن اسلام کو مٹانے کے لئے حملہ کرے تو اُس

کے حملہ کا جواب دو۔ اگر وہ تمہارے آدمیوں کو جنگ میں پکڑ کر غلام بناتا ہو تو تم بھی اُس کے آدمیوں کو پکڑ کر غلام بنانے کے حقدار ہو لیکن بغیر جنگ کے وہ غلام بناتا ہو تب تم اُس کی نقل نہ کرو کہ بغیر جنگ کے غلام بنالو کیونکہ جنگ کی ذمہ داری قوم پر ہوتی ہے۔ اس لئے اگر جنگ کے نتیجہ میں کوئی فعل خراب نکلتا ہے تو قوم جواب دِہ ہے، لیکن اگر فرد کے کسی فعل کے نتیجہ میں کام خراب ہوتا ہے تو قوم جواب دہ نہیں ہوسکتی۔ پس اگر جنگ کے نتیجہ میں وہ تمہارے آدمیوں کو پکڑ کر غلام بنا لیتے ہیں تو تم بھی بنالو، لیکن اگر فرد تمہارے آدمی کو پکڑ کر لے جاتا ہے تو تمہارا کوئی حق نہیں کہ تم اُس کے آدمی پکڑ کر لے آؤ کیونکہ وہ ایک فرد کا فعل ہے۔ اختلافِ مذاہب یا عقیدہ پر چڑنا درست نہیں کہ حُریت انسان کا پیدائشی حق ہے۔ سمجھانا اور تبلیغ کرنا تمہارا کام ہے لڑنا اور فساد کرنا تمہارا کام نہیں۔ اِسی طرح فرمایا غیر قوموں کے بزرگوں کو گالیاں دینا تمہارا کام نہیں تمہارا فرض ہے کہ اُن کا ادب اور احترام کرو۔ چنانچہ قرآن کریم میں یہ آیتیں موجود ہیں:-

(۱) وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ [۲۲] یعنی کافر عورتوں کے ننگ و ناموس کو اپنے قبضہ میں نہ رکھو۔

اس میں یہ اصول بتایا گیا ہے کہ غیر قوم کا حق مارنا جائز نہیں۔ بے شک وہ کافر ہوں گی۔ لیکن بوجہ کافر ہونے کے انہیں قتل نہیں کرنا بلکہ آرام سے اُنہیں اپنے کافر ماں باپ کے پاس ان کے گھر پُہنچا دینا۔

(۲) پھر فرماتا ہے۔ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ [۲۳] دین میں کوئی جبر نہیں چاہے تمہارے خلاف ہی کوئی شخص عقیدہ رکھنا چاہے تو وہ رکھ سکتا ہے۔

(۳) پھر فرمایا ہے۔ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا [۲۴] جن کے ساتھ لڑائی کی جاتی ہے اُن کو اجازت ہے کہ وہ لڑیں۔ دوسرے جن کے ساتھ لڑائی نہیں کی جاتی اُن کو اجازت نہیں۔

۴- پھر فرمایا ہے۔ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ [۲۵] بغیر خطرناک جنگ کے غلام بنانا جائز نہیں، جنگ ہو اور سخت جنگ ہو اِس کے بعد غلام بنانا

جائز ہے ورنہ بغیر جنگ کے ناجائز۔

(۵) پھر فرمایا ہے۔ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ[۲۶] جن لوگوں کو یہ خدا کے سِوا معبود بناتے ہیں وہ خواہ اُن کو خدا بنا دیتے ہیں تب بھی تم ان کو گالیاں مت دو ورنہ وہ تمہارے خدا کو بُرا بھلا کہنے لگ جائیں گے۔ یہ اصول جو قرآن کریم نے بیان کئے ہیں انسانی فطرت کے مطابق ہیں۔

عقل بھی یہی کہتی ہے کہ کسی کا عقیدہ جھوٹ ہو یا سچ اکثریت اپنے نزدیک اسے ویسا ہی سچا سمجھتی ہے جیسے اسلام کی اکثریت اپنے مذہب کو سچا سمجھتی ہے۔ عیسائیت جھوٹی ہے مگر سوال یہ ہے کہ دنیا کا اکثر عیسائی، عیسائیت کو کیا سمجھتا ہے؟ سچا سمجھتا ہے۔ ہندو مذہب جھوٹا ہے لیکن سوال تو یہ ہے کہ دنیا کا اکثر ہندو اپنے مذہب کو کیا سمجھتا ہے؟ سچا سمجھتا ہے۔ یہودی مذہب یقیناً جھوٹا ہے۔ مَیں جھوٹے کا لفظ بولتا ہوں تو اِس کا یہ مطلب ہے کہ اِس زمانہ میں وہ مذہب ختم ہو چُکا ہے ورنہ ابتداء کے لحاظ سے نہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ یہودیوں کا اکثر حصّہ یہودیت کو کیا سمجھتا ہے؟ سچا سمجھتا ہے۔ اگر اِس بات پر کسی کو قتل کرنا جائز ہے، اِس بات پر کسی کو لوٹ لینا جائز ہے، اس بات پر کسی کو مار دینا جائز ہے کہ میں سمجھتا ہوں میرا مذہب سچا ہے تو پھر عیسائیت کو کیوں یہ حق حاصل نہیں۔ چھ سَو سال تک عیسائیت نے دنیا پر غلبہ حاصل کیا ہے اب بھی اُس کو غلبہ حاصل ہے۔ اگر عیسائیت انسانیت کو چھوڑ دے، اگر روس کا کانٹا اُس کے اندر سے نکل جائے تو آج بھی عیسائی مسلمان مُلکوں کو تباہ کرسکتا ہے لیکن وہ نہیں کرتا۔ اِس لئے کہ اُس نے اپنے جھوٹے مذہب میں بھی اس اصول کو تسلیم کیا ہے کہ مذہب کی خاطر کسی کو نہیں مارنا۔ پہلے کرتے رہے ہیں سارا فلپائن مسلمان تھا۔ اِسے عیسائی کرلیا گیا گو ان کو انہوں نے عیسائی بنالیا لیکن اب وہ نہیں کرتے۔ پس اگر یہ عقیدہ درست ہو کہ جب ایک قوم کی اکثریت ہو اور اکثریت کو کسی اقلیت سے اختلاف ہو تو اُس کا حق ہے کہ وہ زبردستی دوسروں سے اُن کا مذہب بدلوائے، اُنہیں مارے پیٹے تو پھر عیسائی کو یہ کیوں حق حاصل نہیں؟ ہندوؤں کو کیوں یہ حق حاصل نہیں کہ ہندوستان میں مسلمان کو ہندو بنالیں۔ چین میں کنفیوشس مذہب کے پیروؤں

کو کیوں یہ حق نہیں کہ وہ لوگوں کو اپنے مذہب میں شامل کر لیں۔ فلپائن میں جہاں اب بھی پندرہ بیس ہزار مسلمان پڑا ہے عیسائیوں کو کیوں حق حاصل نہیں کہ وہ جبراً مسلمانوں کو عیسائی بنا لیں۔ امریکہ کو کیوں حق حاصل نہیں کہ وہ جبراً اُن مسلمانوں کو جو اُس کے مُلک میں رہتے ہیں عیسائی بنالے۔ روس کو کیوں حق حاصل نہیں کہ وہ جبراً سب کو عیسائی بنالے یا جبراً سب کو کمیونسٹ بنالے۔

اگر تمہارا حق ہے اور تم دوسروں کو جبراً اپنے عقیدہ پر لا سکتے ہو تو ویسا ہی عقلاً دوسروں کو بھی حق حاصل ہے لیکن اِس حق کو جاری کر کے دنیا میں کبھی امن قائم رہ سکتا ہے، اِس حق کو جاری کر کے کیا تم اپنے بیٹے کو بھی کہہ سکتے ہو کہ یہ مسئلہ ٹھیک ہے؟ بیوی کو بھی کہہ سکتے ہو کہ یہ مسئلہ ٹھیک ہے کہ عیسائیوں کا حق ہے کہ وہ مسلمانوں کو زبردستی عیسائی بنا لیں؟ مسلمانوں کا حق ہے کہ وہ عیسائیوں کو زبردستی مسلمان بنا لیں؟ احمدیوں کی حکومت ہو تو اس کا حق ہے کہ وہ غیر احمدیوں کو احمدی بنالے؟ ایران والوں کا حق ہے کہ وہ سب حنفیوں کو زبردستی شیعہ بنا لیں؟ اگر ایسا ہو تو کیا سارا پاکستان بڑی خوشی سے کہے گا کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ جَزَاکَ اللہ کیا اچھا کام کیا ہے؟ غرض یہ ایسی عقل کے خلاف بات ہے کہ کوئی عقل بھی اِس کو تسلیم نہیں کرتی۔

جذباتِ صحیحہ بھی اِس کے خلاف ہیں کیونکہ ہر ایسے شخص کو جو دیانت داری سے اختلاف رکھتا ہے سزا دینا انسانی فطرت پسند نہیں کرتی۔ واقعات کو بھی دیکھ لو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ کرتے تھے کیونکہ آپؐ کا عقیدہ تھا۔ مکّہ والے آپ کو جھوٹا سمجھتے تھے مگر وہ کہتے تھے کہ ہم ڈنڈے سے سیدھا کریں گے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دُکھ دیتے تھے۔

ایک دفعہ خانہ کعبہ سے باہر ایک پتھر کی چٹان پر صفا میں آپ بیٹھے ہوئے تھے اور کچھ سوچ رہے تھے۔ چہرہ پر آپ نے ہاتھ رکھا ہوا تھا اور سہارا لے کر سوچ رہے تھے کہ ابوجہل نے دیکھا اور اُس نے آپ کو گالیاں دینی شروع کر دیں۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُسی طرح بیٹھے رہے۔ پھر اُس کمبخت نے زور سے آپ کو تھپڑ مارا کہ ہمارے

بزرگوں کی ہتک کرتا ہے؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِس پر صرف آنکھ اُٹھائی اور کہا کہ آخر تم لوگ مجھے کیوں دکھ دیتے ہو اور کیوں میرے ساتھ دُشمنی کرتے ہو؟ میرا سوائے اِس کے کیا قصور ہے کہ میں کہتا ہوں کہ تمہارا خدا جو تمہیں پیدا کرنے والا ہے اُس کو مان لو۔ ابوجہل اس فقرہ کو سُن کر چلا گیا۔ پاس ہی حضرت حمزہؓ کا مکان تھا۔ حمزہؓ اُس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اُن کی ایک لونڈی اُس وقت دروازہ پر کھڑی یہ نظارہ دیکھ رہی تھی۔ غلام غلام ہی ہوتا ہے لیکن دیر تک رہنے کی وجہ سے وہ بھی خاندان کا جُزد ہو جاتا ہے۔ یہ دیکھ کر اُس کا دل برداشت نہ کرسکا اور وہ سارا دن کُڑھتی رہی۔ حمزہؓ اپنی عادت کے مطابق شکار کو گئے ہوئے تھے شام کے وقت ترکش گردن میں ڈالی ہوئی اور کمان پکڑی ہوئی بڑے اکڑتے ہوئے جیسے شکاری ہوتے ہیں غرور سے گھر میں داخل ہوئے۔ اُن کو اِس حالت میں دیکھتے ہی اِس لونڈی کو غصہ آ گیا، وہ تھی لونڈی مگر پُرانی تھی اور اپنا حق سمجھتی تھی دیکھ کر کہنے لگی بڑا اوپےچی بنا پھرتا ہے تُو اور کمان لگائی ہوئی ہے آخر یہ کس بات کے لئے ہے؟ آج میں نے دیکھا کہ تیرا بھتیجا باہر پتھر پر بیٹھا ہوا تھا مَیں دروازہ پر کھڑی تھی خدا کی قسم! میں نے یہ سُنا اس نے کچھ بھی نہیں کہا تھا۔ اور پھر ابوجہل نے آکر اُس کو تھپڑ مارا۔ یہ فقرہ حمزہؓ نے سُنا وہ حمزہؓ جو روز قرآن سنتا تھا مگر اسلام لانے کی جرأت نہیں کرتا تھا جب اُس کے سامنے ننگے طور پر یہ بات پیش کی گئی کہ ایک شخص عقیدہ پیش کرتا ہے اور ایک ظالم اُٹھ کر اُسے مارتا ہے تو حمزہؓ سے برداشت نہ ہوسکا۔ وہ اُسی وقت گھر سے نکلے خانہ کعبہ میں ابوجہل اور اُس کے ساتھی رؤوسا بیٹھے ہوئے تھے اور مجلس میں گپّیں لگ رہی تھیں۔ حمزہؓ نے پہنچتے ہی اپنی کمان اُٹھا کر اُس کے مُنہ پر ماری اور کہا محمد تیرے آگے جواب نہیں دیتا اس لئے تُو دلیر بنتا ہے۔ اب میں نے تیرے مُنہ پر کمان ماری ہے اور سارے مکّہ والوں کے سامنے تیری ہتک کی ہے اُٹھ! اگر تیرے اندر طاقت ہے تو جواب دے۔ وہ امراء جو اُس کے ساتھ بیٹھے تھے کھڑے ہوگئے اور اُنہوں نے چاہا کہ بدلہ لیں لیکن حق کا رُعب ہوتا ہے۔ ابوجہل نے سمجھا اِس وقت مار لیا تو آدھا مکّہ اِس کی طرف سے کھڑا ہو جائے گا اس لئے اُس نے کہا آج مجھ سے ہی کچھ غلطی ہوگئی تھی میں نے

بلا وجہ آج محمد کو مارا تھا اور اُس نے اپنے ساتھیوں کو ٹھنڈا کر دیا لیکن آگ سُلگ چکی تھی۔ حمزہؓ وہاں گئے جہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پڑھا کرتے تھے اور عرض کیا! یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! میں مسلمان ہونے کے لئے آیا ہوں اور اسلام لے آئے۔[۲۷] یہ تھی حق کی مظلومیت۔

مظلومیت خود اپنے اندر طاقت رکھتی ہے تم ظلم کرتے چلے جاؤ سعید فطرتیں ہمیشہ اس کے خلاف مقابلہ میں پروٹسٹ کریں گی، ہمیشہ اس کے خلاف احتجاج کریں گی مجھے اپنی زندگی کا ایک واقعہ یاد ہے۔ سیالکوٹ میں مَیں نے لیکچر دیا، کشمیر مومنٹ کے سلسلہ میں جلسہ تھا۔ مخالفین نے حملہ کر دیا۔ چنانچہ بیس ہزار آدمی ہجوم کرتے ہوئے اُس جگہ جو قلعہ کہلاتا ہے جمع ہو گئے اُنہوں نے پہلے سے منصوبہ کیا ہوا تھا، پتھر اُن کی جھولیوں میں بھرے تھے اور وہ برابر ایک گھنٹہ اور پانچ منٹ تک پتھر برساتے گئے۔ لوگ مجھ سے بہتیری خواہش کرتے کہ لیکچر بند کیجئے مگر میں نے کہا نہیں لیکچر بند نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ وہ برابر پتھر مارتے رہے۔ آخر پولیس نے لاٹھی چارج کیا اور وہ بھاگ گئے۔ میں نے غیر احمدیوں سے کہا کہ آپ لوگوں کے لئے یہ پتھر نہیں مار رہے ہمارے لئے مار رہے ہیں یہ ہمارا تحفہ ہے پاس ہی کوٹھی تھی میں نے کہا آپ اِس میں چلے جائیں، گھر جانا ہے تو گھر چلے جائیں۔ کچھ لوگ اُٹھے مگر باقی بدستور بیٹھے رہے اور انہوں نے کہا کہ یہ آپ پر جو پتھر پڑ رہا ہے ناجائز پڑ رہا ہے اور ہم بھی اس میں آپ کے شریک ہیں۔ احمدیوں سے میں نے کہا کہ کروٹ نہیں بدلنا۔ جس وقت کوئی ڈھیر ہو جائے اُس وقت دوسرے لوگ اُسے اُٹھا کر لے جائیں۔ چنانچہ پچیس آدمی ہمارے زخمی ہوئے اور ایک کا تو ہاتھ ہی مارا گیا مگر کوئی احمدی ہلا نہیں۔

پیغامیوں کے ایک مبلّغ ہوتے تھے جو ہمارے شدید مخالف تھے اب وہ فوت ہو چکے ہیں اِس لئے نام بتانے میں کوئی حرج نہیں یعنی مولوی عصمت اللہ صاحب۔ وہ ہمارے سخت مخالف تھے لیکن رات کے ایک بجے وہ اُس کوٹھی پر پہنچے جہاں میں ٹھہرا ہوا تھا۔ لوگوں نے بتایا کہ عصمت اللہ صاحب آئے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ خواہ ایک منٹ ہی ملاقات کا

موقع دیا جائے میں ضرور ملنا چاہتا ہوں۔ جب وہ آئے تو میں نے کہا فرمائیے اِس وقت کیوں آئے؟ کہنے لگے میں اس وقت جلسہ گاہ سے آ رہا ہوں۔ ہمارے اور آپ کے درمیان اختلاف ہے، سب کچھ ہے لیکن خدا کی قسم! آج میرا دل گواہی دیتا ہے کہ یا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں یہ نظارہ نظر آیا تھا اور یا آج یہ نظارہ نظر آیا ہے۔ پس بیشک ظلم ہوتے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ جذباتِ صحیحہ ہمارے ساتھ ہیں۔

دیکھو ہر شخص جانتا ہے کہ ایمان کے بغیر نجات نہیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایمان اس کو کہتے ہیں جو غیر متزلزل ہو۔ اور غیر متزلزل یقین ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ نقلِ صحیح اور عقلِ صحیح اور جذباتِ صحیحہ اس کے ساتھ نہ ہوں۔ اور میں نے بتایا ہے کہ ہمارے سارے کے سارے مسائل میں نقلِ صحیح ہمارے ساتھ ہے، عقلِ صحیح ہمارے ساتھ ہے اور جذباتِ صحیحہ ہمارے ساتھ ہیں اس لئے جہاں تک عقل کا سوال ہے کوئی احمدی متزلزل نہیں ہوسکتا۔ لالچ میں آ سکتا ہے، ڈر سکتا ہے اور جہاں تک واقعات کا اور عقل کا سوال ہے دنیا کا کوئی انسان بھی ہم سے متأثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

بعض لوگ کانوں میں اُنگلیاں ڈال ڈال کر ہم سے بچنا چاہتے ہیں اسی لئے وہ کہتے ہیں کہ احمدیوں کی مجلسوں میں نہ جاؤ ان کے جلسوں کو نہ سنو، تقریریں ہوں تو شور مچاؤ۔ قرآن میں بھی یہی لکھا ہے کہ مخالف کہتے ہیں کہ قرآن نہ سنو کہیں اِس کی آواز تمہارے کان میں نہ پڑ جائے [۲۸] کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ کسی جگہ بھی عقل داخل ہوئی تو ہم مر گئے، کسی جگہ نقل داخل ہوئی تو ہم تباہ ہو گئے، کسی جگہ جذباتِ صحیحہ داخل ہوئے تو ہم گئے۔ اِسی لئے وہ اپنے کانوں میں رُوئیاں ٹھونستے ہیں۔ مگر تم وہ ہو جن کو ہم کہتے ہیں کہ ہر مجلس میں جاؤ اور کان کھول کر جاؤ، تمہیں کوئی ڈر نہیں۔ اور تمہارا مخالف تمہاری مجلس میں آنے سے پہلے اپنے کانوں میں رُوئی ڈالتا ہے تاکہ اُس کا ایمان بچ جائے مگر آخر کب تک وہ رُوئی ڈالے گا۔ کسی دن اُس کی رُوئی گِرے گی، کسی دن تمہاری آواز اُس کے کان میں پڑے گی اور وہ متأثر ہو کر تمہارے ساتھ شامل ہو جائے گا۔'' وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

(الفضل ۲۱ ؍ مارچ ۱۹۶۲ء)

۱؎ العصر:۲ تا۴
۲؎ سیرت ابن ہشام جلد۳ صفحہ۱۰۵ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء
۳؎ مسلم کتاب الایمان باب بیان خصال من اتَّصف بِهِنَّ (الخ)
۴؎ بخاری کتاب الاکراہ باب مَنْ اِخْتَارَ الضَّرْبَ (الخ)
۵؎ سیرت ابن ہشام جلد ا صفحہ ۳۳۹، ۳۴۰ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء
۶؎ بخاری کتاب بدء الوحی باب کَیْفَ کَانَ بدء الوحی اِلٰی رَسُوْلِ اللہ صلی اللہ علیه وسلم (الخ)
۷؎ یوسف:۱۰۸ ۸؎ النساء:۱۵۸ ۹؎ فاطر:۲۵
۱۰؎ الاحزاب:۴۱ ۱۱؎ الکوثر:۲ تا آخر ۱۲؎ الصف:۱۰
۱۳؎ حٰمٓ السجدة:۳۱
۱۴؎ بخاری کتاب التعبیر باب المبشرات
۱۵؎ البقرہ:۱۱۰ ۱۶؎ بنی اسرائیل:۹۰ ۱۷؎ الانعام:۲۰
۱۸؎ اٰل عمران:۸
۱۹؎ افشردۂ انگور: انگور کا شربت
۲۰؎ الرحمٰن:۳۰، ۳۱
۲۱؎ ابوداؤد کتاب الادب باب فی المطر
۲۲؎ الممتحنة:۱۱ ۲۳؎ البقرة:۲۵۷ ۲۴؎ الحج:۴۰
۲۵؎ الانفال:۶۸ ۲۶؎ الانعام:۱۰۹
۲۷؎ سیرت ابن ہشام جلد ا صفحہ ۳۱۱، ۳۱۲۔ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء
۲۸؎ قَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَالْقُرْاٰنِ۔ (حٰمٓ السجدة:۲۷)